تکفیر مسلم کے شرعی اصول و ضوابط

تحریر: حافظ محمد اسلم، اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ کالج، بورے والا

کفر و شرک کی گرد سے اٹی ہوئی وادی بطحا میں اسلام کی شمع روشن ہوئی تو اس کی پہلی کرنیں صرف توحید، رسالت اور آخرت کے پیغام پر مشتمل تھیں۔ آغاز اسلام میں یہی ایمان کی تعریف تھی اور ان صفات کا حامل شخص مکمل مسلمان تھا۔ تاہم مسلمانوں کی تعداد اس وقت نہایت محدود تھی۔ کیونکہ اسلام قبول کرنے کا مطلب مصائب کو دعوت دینا اور اپنی پر سکون زندگی کو خطرات کے بھنور میں ڈالنا تھا۔ لہذا صرف وہی لوگ اسلام قبول کر سکتے تھے جو نہایت حوصلہ منداور مستقل مزاج ہوں۔ اس لئے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ ان میں سے کوئی شخص اسلام لائے اور مرتد ہو جائے۔ مگر تاریخ نے اس دور کے ارتداد کا واقعہ بھی اپنے اوراق میں محفوظ کیا ہے۔ مثلاً عبداللہ بن جحش نے بحیثیت مسلمان مکہ سے ہجرت کی۔ پھر حبشہ پہنچ کر مذہب اسلام سے انحراف کیا اور نصرانی مذہب اختیار کر لیا(۱)

اسلام میں غالباً یہ ارتداد کا پہلا واقعہ ہے۔ مگر اس وقت تک نہ تو ارتداد کے احکام نازل ہوئے تھے اور نہ ہی اسلام کو قوتِ نافذہ یعنی اقتدار حاصل تھا۔ اس لئے اس واقعہ کے متعلق مزید بحث کرنے کی نہ گنجائش ہے اور نہ ہی ضرورت۔

نبوت کے تیرہویں سال حضور اکرم ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے۔ یہاں کی سرزمین اسلام کیلئے نہایت زرخیز ثابت ہوئی اور شجر اسلام تیزی سے بزرگ وبار لانے لگا۔ حضور اکرم ﷺ کے دس سالہ مدنی دور میں ارتداد کی متعدد مثالیں سامنے آتی ہیں۔ مثلاً مدینہ کی ابتدائی زندگی کا واقعہ ہے کہ قبیلہ عرینہ کے کچھ لوگ آئے۔ اسلام قبول کیا۔ پھر مرتد ہو کر محاربت کی۔ ان دونوں جرموں کی وجہ سے ان کو قتل کر دیا گیا۔(۲)

اسی طرح عبداللہ بن سعد، جو کہ حضرت عثمانؓ کے رضاعی بھائی اور کاتب وحی بھی تھے، مرتد ہو گئے۔ جس کی وجہ سے ان کا قتل جائز قرار دے دیا گیا۔ مگر انہوں نے دوبارہ اسلام قبول کیا اور اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔(۳)

اسی مدنی دور میں جب احکام نازل ہو چکے تو آپ نے فرمایا: بنی الاسلام علی

خمس۔۔۔(۴)اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔(۱)اللہ کی وحدانیت کی گواہی' حضرت محمد ﷺ کے رسول ہونے کی گواہی۔(۲)نماز پڑھنا۔(۳)زکوٰۃ دینا۔(۴)روزے رکھنا۔(۵)حج کرنا۔

مدینہ کے اردگرد یہود و نصاریٰ آباد تھے۔ان سے امتیاز پیدا کرنے اور اسلامی تشخص کو نمایاں کرنے کیلئے آپ نے فرمایا:

"من صلی صلاتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذلک المسلم"(۵)

(جس نے ہماری نماز پڑھی' ہمارے قبلے کی طرف منہ کیا' ہمارا ذبیحہ کھایا' یہ وہ مسلمان ہے جس کیلئے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہے۔

۱۱ھ میں حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسند اقتدار سنبھالی' تو پورے جزیرۃ العرب میں ہر سو فتنوں کا طوفان کھڑا ہو گیا۔ مگر آپ نے مختصر سی مدت میں ان فتنوں کا قلع قمع کر دیا۔ جن میں مرتدین' مدعیانِ نبوت اور منکرین زکوٰۃ نمایاں طور پر شامل تھے۔ یہ واقعات انفرادی اور ارتداد کی بجائے اجتماعی ارتداد کے آئینہ دار تھے۔اس موقعہ پر حضرت ابوبکر نے فرمایا تھا' جو کوئی نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کرے گا' میں اس سے قتال کروں گا(۶) آپ کے اس فرمان سے واضح ہوا کہ کسی اسلامی رکن کو چھوڑنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

حضرت عثمانؓ کے دور میں عبداللہ بن سبا کی شکل میں نیا فتنہ رونما ہوا۔ کیونکہ اس نے نئے عقائد تراش کر انہیں اسلام میں داخل کرنے کی کوشش کی۔اس کے بعض غالی پیروکاروں نے آگے چل کر حضرت علیؓ کی الوہیت کا نعرہ لگایا اور اسی جرم میں حضرت علی نے ان کا خاتمہ کیا (۷)اس طرح ارتداد کی ایک نئی قسم معرض وجود میں آئی۔ یعنی ارتداد خفی۔

ارتداد کی شرعی تعریف یہ ہے: "الرجوع عن دین الاسلام الی الکفر"(۷)

(دین اسلام سے کفر کی طرف پلٹنا)

پھر اس کی دو قسمیں ہیں۔

ارتداد جلی: یعنی واضح طور پر دین اسلام سے نکلنا اور کسی دوسرے دین کو قبول کرنا۔دور نبوی ﷺ اور دور صدیقیؓ کے واقعات اس کی مثالیں ہیں۔

ارتداد خفی: خود کو دین اسلام میں سمجھنا' مگر نئے عقائد اختیار کرنا اور دوسرے مسلمانوں کو کافر سمجھنا' جیسا کہ حضرت علیؓ کے عہد حکومت میں واقعہ پیش آیا۔ پھر حضرت علیؓ کے دور حکومت میں خوارج کا ایک اور گروہ نمودار ہوا۔ جس نے کھلم کھلا مسلمانوں کی تکفیر کی اور انہیں قتل کیا۔

بقول ابن تیمیہؒ : مسلمانوں میں تکفیر کا سلسلہ سب سے پہلے خوارج اور روافض نے شروع کیا۔(۸)

دوسری صدی ہجری کے آغاز میں فلسفیانہ بحثوں اور علمی موشگافیوں کا سلسلہ چل نکلا جس کے نتیجے میں معتزلہ اور کرامیہ جیسے فرقے وجود میں آئے اور اپنے جلو میں جدید نظریات لائے۔ یہی وہ دور تھا جب علوم وفنون مدون ہو رہے تھے اور نئی اصطلاحیں قائم ہو رہی تھیں۔ اس دور میں معتزلہ نے اسلام اور کفر کے درمیان ایک نیا درجہ اختراع کیا اور کہا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ مسلمان ہے نہ کافر'(۹) بلکہ وہ شخص ان دونوں کے درمیان میں ہے۔ کرامیہ فرقے نے صرف تصدیق کو ایمان قرار دیا اور کہا اگر تصدیق لسانی تصدیق قلب کے مطابق ہے تو وہ مومن ناجی ہے۔(۱۰) خوارج نے کہا : ایمان کا مطلب ہے "تصدیق مع الاطاعة" اطاعت کے ساتھ تصدیق کرنا۔

ان حالات میں امام ابو حنیفہؒ' امام اعظمؒ کی حیثیت سے مذہبی افق پر ابھرے۔ آپ کی معرفت عقائد وفقہ کے ضابطے مرتب ہوئے۔ چنانچہ گردوپیش یعنی مختلف فرقوں کو مدِ نظر رکھ کر آپ نے ایمان کی یہ تعریف لکھی : "امنت باللہ وملائکتہ۔۔۔ وذالک کلہ حق"(۱۱) میں اللہ پر ایمان لایا۔ اور اس کے فرشتوں' کتابوں' رسولوں اور موت کے بعد زندہ ہونے پر' اچھی بری تقدیر اللہ کی طرف سے ہے' اور حساب' میزان' جنت اور دوزخ برحق ہیں۔

اس کے علاوہ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا : ولا نکفر مسلما بذنب من الذنوب وان کانت کبیرة"(۱۲) ہم کسی گناہ کی وجہ سے مسلمان کی تکفیر نہیں کریں گے اگرچہ وہ گناہ کبیرہ ہی ہو۔ بشرطیکہ اسے حلال نہ سمجھے۔ ایمان کا نام بھی اس سے زائل نہیں کریں گے۔ اسے حقیقی مومن کہیں گے۔ یہ جائز ہے کہ کوئی مومن فاسق ہو مگر کافر نہ ہو"

مندرجہ بالا عبارتوں سے معتزلہ' خوارج اور کرامیہ کی مکمل تردید ہو گئی۔ جن کا اس وقت خاصا چرچا تھا۔ یعنی امام ابو حنیفہؒ نے ایمان کی تعریف میں اعمال کو شامل نہیں کیا۔ آپ کے مسلک کی تائید متعدد آیات وحادیث سے ہوتی ہے۔ مثلاً : "اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" (جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے۔ اس قسم کی آیات قرآن مجید میں متعدد مقامات پر موجود ہیں۔ ان میں ایمان اور اعمالِ صالحہ کو الگ الگ کر کے ذکر کیا جس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں الگ چیزیں ہیں۔

دوسری آیت ہے : وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا"(۱۳) (اگر مومنوں

میں سے دو جماعتیں لڑ پڑیں) اس آیت میں جنگ کرنے والوں کو بھی مومن کہا گیا ہے۔ جبکہ مومن سے جنگ کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ معلوم ہوا کہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے کوئی شخص ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔ اسی طرح واقعہ افک کے موقعہ پر کچھ مسلمان بھی اس پروپیگنڈے کی لپیٹ میں آگئے۔ مگر قرآن نے انہیں بھی مومن کہہ کر خطاب کیا (۱۴) مزید بحث آگے آتی ہے۔)

اسلام اور کفر کی بحث میں احناف کا یہ اہم اصول ہے کہ اعمال ایمان کا حصہ نہیں۔ اس اصول کے ذریعے ایسے غلط نظریات کی تردید اور ان باطل فرقوں کی تکذیب مقصود ہے۔ جو اعمال کو ایمان کا حصہ ٹھہراتے ہیں اور مرتکب کبیرہ کو اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔

آگے چل کر قدریہ، جبریہ اور قرامطہ جیسے انتہائی گمراہ فرقے ظاہر ہوئے۔ جن کی تفصیلی بحث کی ضرورت نہیں۔ بہر حال ان تمام فرقوں کو مد نظر رکھ کر فقہاء نے کفر کی یہ جامع تعریف لکھی:

"الکفر لغة الستر وشرعاً تکذیبه ﷺ مماجاء به من الدین ضرورة" (۱۵) کفر کے لغوی معنی ہیں چھپانا اور شریعت میں اس کا مطلب ہے ان ضروریات دین کو جھٹلانا، جنہیں حضور ﷺ لے کر آئے۔ پھر کفر کی دو قسمیں ہیں۔

کفر اصلی: یعنی بلوغت کے بعد اسلام مقدم نہ ہوا ہو۔

کفر طاری: یعنی بلوغت کے بعد اسلام مقدم ہوا ہو (۱۶)

کفر کی اس دوسری قسم کو ارتداد بھی کہتے ہیں۔ جس کی کچھ بحث پہلے بھی گزر چکی ہے۔

تکفیر کے اصول

کفر و اسلام کی تعریفات کو مد نظر رکھ کر حنفی مسلک کے شارحین نے بہت سی جزئیات و تفریعات مرتب کیں اور تکفیر کے اصول پیش کئے۔ چنانچہ کلیات و جزئیات، دونوں شکلوں میں کافی مواد ہمارے سامنے آتا ہے۔ اس مقصد کیلئے دکتور وھبۃ زحیلی کی عبارت کو بعینہ پیش کیا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اختصار اور جامعیت کی مرقع ہے:

"وھی شرعا: الرجوع عن دین الاسلام الی الکفر سواء بالنیة اوبالفعل المکفر او بالقول، وسواء قاله استهزاء او عناداً او اعتقاداً۔

وعلی هذا فالمرتد: هوالراجع عن دین الاسلام الی الکفر، مثل

من انکروجودالصانع الخالق ،اونفی الرسل، او کذب رسولاً ،او حلل حراما بالاجماع کالزنا واللواطة وشرب الخمر والظلم ، اوحرم حلالا بالاجماع کالبیع والنکاح ،اونفی وجوب مجمع علیه، کانه نفی رکعة من الصلوات الخمس المفروضة، اواعتقدوجوب مالیس بواجب بالاجماع کزیادةرکعةمن الصلوات المفروضة، اووجوب صوم شی ء من شوال، اوعزم علی الکفر غداً ،اوترددفیه"(۱۷)

ترجمہ : شریعت میں ارتداد کا مطلب ہے دین اسلام سے کفر کی طرف پلٹنا، خواہ نیت کے ساتھ ہو یا کافرانہ فعل یا کافرانہ کلام سے ہو۔

اس بناء پر مرتدوہ شخص ہوگا جو دین اسلام سے کفر کی طرف پلٹے۔ مثلاً کوئی شخص خالق وصانع کے وجود کا انکار کرے، رسولوں کی نفی کرے، کسی ایک رسول کو جھٹلائے، اجماعاً حرام چیز کو حلال قرار دے جیسے زنا، لواطت، شراب پینا، ظلم کرنا، یا اجماعاً حلال چیز کو حرام ٹھہرائے جیسے خرید وفروخت، نکاح، یا اجماعاً واجب چیز کی نفی کرے۔ جیسے پانچ فرض نمازوں میں سے کسی رکعت کا انکار کرے۔ یا بالاجماع غیر واجب چیز کو واجب سمجھے جیسے پانچ فرض نمازوں کی رکعات میں اضافہ کرے، یا ماہ شوال کے کسی دن کا روزہ واجب گردانے، یا آئندہ کسی دن کو کافر بننے کا ارادہ کرے، یا اسلام میں شک کرے۔)

اب اس اختصار کی تفصیل کی جاتی ہے اور مختلف مثالوں سے ان کی تشریح کی جاتی ہے :

۱۔ ضروریات دین کا انکار : یہ اصول درمختار کے حوالے سے پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ اس سلسلے میں پہلا درجہ عقائد کا ہے کیونکہ عقائد، دین ومذہب کیلئے اساس وبنیاد ہوتے ہیں۔ ان کا انکار صریح کفر ہوتا ہے۔ ان میں سرفہرست عقیدہ الوہیت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا انکار، اس کی ذات میں تعدد، اس کیلئے والدیت یا ازدواجی تعلق اور اس کی صفات سے انکار، یہ تمام امور کفر ہیں(۱۸) قرآن وحدیث میں جابجا ان کی تفصیل موجود ہے۔ صفات سے مراد ہیں، قدرت، سمع، علم، ارادہ، بصر۔

اسی طرح غیر خدا کے ساتھ خدا والا سلوک کرنا بھی شرک ہے۔ مثلاً کسی انسان کے واسطے تعظیماً بروقت خلعت جانور ذبح کیا یا حلوا بنایا تو شیخ ابوبکر کے بقول یہ کفر ہے اور ذبح

کیا ہوا جانور مردار ہے۔(۱۹)

دوسرے عقیدے کا تعلق نبوت ورسالت سے ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ یا قرآن مجید میں مذکور کسی بھی نبی کا انکار کفر ہے۔ نیز ان انبیاء کرام کے درجات میں تفاوت کو ماننا بھی قرآن مجید کی تعلیم ہے(۲۰)

اسی سلسلے میں ختم نبوت کا انکار بھی کفر ہے۔(۲۱) کیونکہ یہ عقیدہ قرآن' حدیث' صحابہ کرامؓ کے عمل اور اجماع سے ثابت ہے کہ انہوں نے مدعیان نبوت سے جنگ کی اور ان کا خاتمہ کیا۔ چنانچہ کسی بھی تعبیر سے نبوت کو جاری ماننا یا ظلی بروزی نبی کا عقیدہ رکھنا کفر ہے۔ جیسا کہ پاکستان کے آئین میں درج ہے اور گزشتہ فقہا کی عبارتوں میں بھی اس کی مثال ملتی ہے۔ مثلاً :

"ویجب اکفار الزیدیۃ کلھم فی قولھم بانتظار نبی من العجم ینسخ دین نبینا وسیدنا ﷺ"(۲۲) زیدیہ فرقہ کی تکفیر کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ وہ ایک عجمی نبی کے انتظار میں ہیں جو ہمارے نبی اور سردار محمد ﷺ کے دین کو منسوخ کردے گا۔

تیسرے عقیدے کا تعلق آسمانی کتب سے ہے۔ جن پر ایمان لانا لازم اور انکار کرنا کفر ہے جیسا کہ سورۃ البقرہ کی ابتدائی آیات میں ان کا ذکر ہے۔ ان کتب کے نام یہ ہیں۔ حضرت موسیٰؑ پر توراۃ نازل ہوئی۔ حضرت داؤدؑ پر زبور' حضرت عیسیٰؑ پر انجیل اور حضرت محمد ﷺ پر قرآن مجید نازل ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ پر بعض صحیفوں کے نزول کا بھی ذکر ہے۔(۲۳)

<u>فرشتوں پر ایمان</u> : جنہیں قرآن مجید ملائکہ' رسول اور عباد کے ناموں سے تعبیر کرتا ہے۔ مختلف امور کو سرانجام دینے کیلئے یہ خدائی کارندے ہیں اور خدائی احکامات کی نافرمانی نہیں کرتے۔(۲۴)

<u>عقیدہ آخرت</u> : عقیدہ آخرت بھی ایک اہم عقیدہ ہے۔ جس کا مطلب ہے اس کائنات کا ایک مقررہ وقت پر فنا ہونا' دوبارہ وجود میں آنا' مردوں کا زندہ ہونا' حساب وکتاب پھر جنت و جہنم میں داخل ہونا۔ سورۃ حاقہ اور انفطار وغیرہ میں اس کی کافی تفصیل ہے۔ اسی طرح جنت ودوزخ' میزان' پل صراط یا ان صحیفوں کا انکار کرنا جن میں بندوں کے اعمال لکھے جاتے ہیں' کفر ہے۔(۲۵)

<u>تقدیر</u> : اچھی بری تقدیر اللہ کی طرف سے ہے۔ تمام حوادث اس کی قضاء ہیں۔ ہم اللہ کے فیصلوں پر راضی ہیں۔ کیونکہ اللہ سبحانہ ہمارا مالک ہے اور ہم اس کے بندے ہیں۔(۲۶)

اس عقیدے کے ذریعے قدریہ اور جبریہ فرقوں کی تردید مقصود ہے۔ جبریہ کا عقیدہ تھا

کہ انسان مکمل طور پر مجبور ہے۔ قدریہ کا عقیدہ تھا کہ انسان مکمل طور پر مختار ہے۔ جبکہ اہل سنت کے نزدیک انسان نصف حد تک خود مختار اور نصف حد تک مجبور ہے۔ بہر حال اس عقیدے کا انکار بھی کفر ہے۔ مثلاً ظالم کے ظلم کے وقت مظلوم نے کہا یہ تقدیر الٰہی ہے۔ ظالم نے کہا۔ میں تقدیر الٰہی کے بغیر کرتا ہوں۔ تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔(۲۷)

مندرجہ بالا عقائد کا ذکر ایمان کی اس تعریف میں بھی موجود ہے جو امام ابو حنیفہؒ نے پیش کی اور یہ تعریف قرآن مجید کے مختلف بیانات سے ماخوذ ہے۔

ضروریات دین کے دوسرے حصے کا تعلق عبادات سے ہے۔ چنانچہ نماز، روزہ، زکوٰۃ یا حج کا انکار کفر ہے۔ کیونکہ ان کا وجوب قرآن سے ثابت ہے۔ تاہم جو شخص انکار تو نہیں کرتا۔ مگر ان عبادات کو ادا بھی نہیں کرتا تو وہ فاسق ہے۔ مگر کافر نہیں، بلکہ مومن ہے۔ کیونکہ ان عبادات کا تعلق اعمال سے ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے ہاں اعمال، ایمان کا حصہ نہیں۔ جیسا کہ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

۲۔ نص قطعی کا انکار: اس سے مراد قرآن مجید اور خبر متواتر ہے۔ چنانچہ اصول یہ ہے: ویکفر اذا انکر آیۃ من القرآن"(۲۸) قرآن مجید کی کسی آیت کا انکار کرنے کی وجہ سے تکفیر کی جائے گی۔ کیونکہ قرآن مجید کی ہر آیت نص قطعی ہے۔ جس طرح پورے قرآن کا منکر کافر ہے۔ اسی طرح اس کے جز کا منکر بھی کافر ہے۔

اسی طرح: جس نے خبر متواتر کا انکار کیا وہ کافر ہے۔ یعنی جو حدیث یا امر شرعی اس طور منقول ہے کہ وہ عقلی نہیں کہ غلطی یا سہو یا دروغ ہو تو اس کا منکر کافر ہے۔ مثلاً نمازوں کی تعداد اور ان کی رکعات۔ جبکہ خبر مشہور کا انکار بعض کے نزدیک کفر ہے اور بعض کے نزدیک گمراہی ہے۔ وھو الصحیح، خبر واحد کا منکر کافر نہیں۔(۲۹)

جزئیات: مندرجہ بالا اصول پر دو جزئیے بطور مثال پیش کئے جاتے ہیں:

(۱) وبانکار صحبۃ ابی بکر بخلاف غیر ذلک(۳۰) حضرت ابو بکر کی صحابیت کا منکر کافر ہے۔ کیونکہ آپ کی صحابیت قرآن مجید کی سورۃ توبہ: ۴۰ سے ثابت ہے۔

۲۔ اگر حضرت عائشہؓ کو تہمت زنا لگائی، تو وہ کافر ہوا اور اگر آنحضرت ﷺ کی باقی بیویوں کو ایسی تہمت لگائی۔ نعوذ باللہ منہ تو وہ کافر نہ ہوگا(۳۱) کیونکہ حضرت عائشہؓ کی پاک دامنی سورۃ نور کے دوسرے رکوع سے ثابت ہے۔

۳۔ گستاخی و توہین : یہ اصول متعدد قرآنی آیات پر مبنی ہے۔ مثلاً

"اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ(۳۲)

ترجمہ : اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اس کی عزت و توقیر کرو۔)

"لَاتَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ"(۳۳) (اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو)

"لَاتَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَاءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا"(۳۴)

(رسول کا بلانا اپنے بلانے کی طرح نہ بناؤ)

جزئیات :فیکفر اذا وصف اللہ تعالی مالا یلیق(۳۵)(اللہ کی شان کے منافی وصف بیان کرنے پر تکفیر کی جائے گی۔ مثلاً "خدا کی طرف بخل کی نسبت کی تو وہ کافر ہوا"(۳۶)

انبیاء کے متعلق : جس کسی نے مقام رسالت کی تنقیص کی۔ بایں طور کہ آپ کو گالی دی۔ تو اسے قتل کر دیا جائے۔(۳۷) جو قائل ہے کہ گناہ کفر ہے۔ پھر کہتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے گناہ کیا تو وہ کافر ہے۔ کیونکہ اس نے گالی دی۔(۳۸)

قرآن کے متعلق جزئیات : جو کوئی حلف کے وقت بطور تحقیر قرآن پر پاؤں رکھے اس کی تکفیر کی جائے گی۔(۳۹)

جو شخص دوسرے سے کہے کہ قرآنی سورۃ " اِنَّآ اَعْطَیْنَا" سے بھی چھوٹا ہے(۴۰)(وہ کافر ہوا)شراب یا زنا کے وقت بسم اللہ پڑھے تو کافر ہے(۴۱)۔ جس کسی نے قرآنی آیت کا انکار کیا' یا اس سے تمسخر کیا یا عیب لگایا تو وہ کافر ہے(۴۲)

ملائکہ کے متعلق جزئیات : ملائکہ کو گالی دینا' انبیاء کو گالی دینے کی طرح ہے(۴۳)۔ فرشتوں میں سے کسی فرشتہ پر عیب لگایا اس کو حقیر سمجھا(۴۴)(تو وہ کافر ہوا)۔ اگر کسی شخص نے کہا کہ مجھے ہزار روپیہ دو تا کہ (فلاں شخص کی موت کے معاملے کیلئے) ملک الموت کو بھیجوں تو وہ کافر ہوا(۴۵)

اسلامی شعائر کی توہین کے متعلق جزئیات : ایک مؤذن نے اذان دی۔ دوسرے نے کہا جھوٹ ہے یا کہ یہ غوغا (شور) ہے۔ یعنی بطریق انکار و نفرت کہا یا کہا : یہ جرس کی آواز ہے تو تکفیر کیا جائے گا(۴۶) اگر کسی نے کہا کہ قبلہ نماز دو ہیں۔ ایک کعبہ' دوسرا بیت اللہ تو کہنے والا تکفیر کیا جائے گا(۴۷)

۴۔ حلال کو حرام یا حرام کو حلال سمجھنا: اس اصول کا ذکر امام ابو حنیفہؒ اور دکتور وھبۃ الزحیلی کی عبارتوں میں گزر چکا ہے۔ اس اصول کی بنیاد یہ ہے کہ اسلام میں تحلیل و تحریم کا حق صرف اللہ تعالی کو حاصل ہے۔ جو کوئی اللہ تعالی کے احکام کو حلت و حرمت معلوم ہونے کے بعد 'ان کے خلاف کسی دوسرے کے قول کو واجب الاتباع سمجھے وہ گویا اسکی عبادت کرتا ہے اور شرک میں مبتلا ہے (۴۸) قرآنی آیت ہے "لَاتُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ" (۴۹) (اللہ کی پاکیزہ حلال چیزوں کو حرام نہ ٹھہراؤ۔) اس کی مزید وضاحت یہ ہے۔ "من اعتقدا الحرام حلالا فان كان حراما بغيره لايكفر' وان كا بعينه' فان كان دليله قطعيا والافلا" (۵۰) جو شخص حرام کو حلال سمجھے۔ پھر اگر تو وہ حرام لغیرہ تھی تو کافر نہ ہوگا (جیسے کہ دوسرے کے مال کو حلال سمجھے) اور اگر وہ حرام بعینہ تھی اور اس کی حرمت کی دلیل بھی قطعی تھی تو اس کو حلال سمجھنے والا کافر ہو جائے گا۔ جیسے کہ زنا سود وغیرہ اور اگر اس کی حرمت کی دلیل قطعی نہیں بلکہ ظنی تھی۔ مثلاً اس کا ثبوت خبر واحد سے تھا تو اس کو حلال سمجھنے والا کافر نہ ہوگا۔ مثلاً گدھے کا گوشت وغیرہ۔ اس اصول کی کچھ وضاحت اور مثالیں پہلے بھی گزر چکی ہیں۔

۵۔ ٹھٹھا اور مذاق: اس اصول کا ذکر بھی پہلے آچکا ہے اور اس کی بنیاد اس ارشاد باری تعالی پر ہے "وَآيَاتِهِ وَرَسُوْلِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِؤُنَ ' لَاتَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ" (۵۱) (تم 'اللہ 'اس کی آیات اور اس کے رسول سے استہزاء کرتے تھے۔ کوئی عذر پیش نہ کرو۔ ایمان لانے کے بعد تم کافر ہو گئے)

جزئیات: واما الهازل والمتستهزئى اذاتكلم بالكفر۔۔۔۔ (۵۲) (ٹھٹھ اور مذاق کرنے والے نے جب کفریہ کلمہ کہا۔ جس کا مقصد تحقیر 'مزاح اور استہزاء تھا 'تو وہ سب کے نزدیک کافر ہو جائے گا۔ اگرچہ اس کا اعتقاد اس کے برعکس ہی ہو۔ جزئیہ نمبر ۲ ایک شخص نے دوسرے سے کہا خدا سے ڈر۔ اس نے کہا خدا کہاں ہے۔ اس کی تکفیر کی جائے گی (۵۳) جزئیہ نمبر ۳ قبلہ رخ سے ہٹ کر دوسری طرف بطور استہزاء اور استخفا کے نماز پڑھی تو کافر ہو جائے گا (۵۴)

۶۔ تردد 'شک یا لاعلمی کا اظہار کرنا۔ ایمان 'اذعان اور یقین کا نام ہے۔ جبکہ تردد اس یقین کا متضاد ہے اس لئے مسلمان کو اپنے مذہب کی صداقت کا یقین اور بنیادی امور کا علم ہونا لازمی ہے۔ اس

اصول کا ذکر بھی پہلے آچکا ہے۔

جزئیات۔۱ : جس نے کہا میں صفتِ اسلام نہیں جانتا۔ وہ کافر ہے (۵۵) کیونکہ اس نے اسلام کی بنیادی صفت سے لاعلمی کا اظہار کیا۔ جزئیہ نمبر ۲ : اگر کسی نے کہا میں نہیں جانتا کہ یہود و نصاریٰ جب اٹھائے جائیں گے تو دوزخ کے عذاب میں ڈالے جائیں گے۔ تو بلخ کے سب کے مشائخ نے اس کے کفر کا حکم دیا ہے (۵۶) کیونکہ ان کا عذاب سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۱۸ سے ثابت ہے۔ لہذا اس کے متعلق لاعلمی کا اظہار کرنا درست نہیں۔ جزئیہ نمبر ۳ : کسی شخص نے کہا۔ اگر اللہ نے قیامت کے روز حق وانصاف سے فیصلہ کیا تو میں تجھے اپنے حق میں پکڑوں گا۔ یہ کفر ہے (۵۷) کیونکہ اس نے خدا کے عادل ہونے میں شک کا اظہار کیا۔ جزئیہ نمبر ۴ : کسی نے کہا مجھے نہیں معلوم کہ آنحضرت ﷺ آدمی تھے یا جنی۔ تو اس کی تکفیر کی جائے گی (۵۸) کیونکہ حضور ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام کے انسان ہونے کا ذکر قرآن میں مختلف مقامات پر موجود ہے۔ لہذا اس میں شک کا اظہار کرنا درست نہیں۔

اس اصول کی بنیاد یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے' جس میں حضور ﷺ سے خطاب ہے۔ "وَلَاتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ" (۵۹) (جو کچھ آپ کی طرف نازل ہوا اس کے برحق ہونے میں کسی قسم کا شک نہ کریں)

پھر حضور ﷺ کی وساطت سے تمام امت کو بھی یہی ہدایت ہے کہ وہ کسی قسم کے تردد میں مبتلا نہ ہوں۔ نیز سورہ البقرہ کی پہلی آیت ہے۔ "ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَارَيْبَ فِيْهِ" (اس قرآن میں کسی قسم کا شک نہیں) جب قرآن شکوک و شبہات سے پاک ہے تو اس کے مشمولات میں سے کسی حکم پر شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

۷۔ عناد' ناپسندیدگی' بیزاری یا مقابلہ بازی کا اظہار کرنا : یہ تمام ملتی جلتی باتیں ہیں۔ یہ اصول بھی پہلے مذکور ہو چکا ہے اور اس کی بنیاد اللہ کے اس فرمان پر ہے : "اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ الْكَافِرِيْنَ" (۶۰) (اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کرو۔ اگر تم منہ پھیرو گے تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا)

جزئیات : جس کسی نے اپنے دل میں کسی نبی کا بغض رکھا تو وہ کافر ہوا (۶۱) اس میں عناد کا اظہار ہے۔ کسی شخص نے کہا اگر فلاں نبی ہوتا تو میں اس پر ایمان نہ لاتا (۶۲) اس فقرے میں ناپسندیدگی اور بیزاری کا اظہار ہے۔ گناہ کرنے والے کو دیکھ کر دوسرے نے کہا۔ آیا تو خدا سے نہیں ڈرتا۔ اس

نے کہا: نہیں۔ تو کافر ہو جائے گا (۶۳) اس فقرے میں مقابلہ بازی ہے۔ کسی سے کہا گیا تو قرآن مجید کیوں نہیں پڑھتا۔ اس نے کہا میں قرآن سے بیزار ہوں (۶۴) تو تکفیر کی جائے گی۔ کیونکہ اس نے کھلے عناد اور بیزاری کا اظہار کیا۔ ظالم کے ظلم کے وقت کہا۔ یارب اس سے یہ ظلم پسند نہ کر اور اگر تو پسند کرے گا تو میں پسند نہ کروں گا۔ یہ کفر ہے (۶۵) کیونکہ اس میں مقابلہ بازی کا اظہار ہے۔ کسی نے بیمار سے کہا: نماز پڑھ لے۔ اس نے جواب دیا۔ کبھی نہ پڑھوں گا۔ پھر اس نے نہ پڑھی۔ یہاں تک کہ مر گیا۔ تو کہا جائے گا کہ وہ کافر مرا (۶۶) کیونکہ اس نے ناپسندیدگی اور بیزاری کا اظہار کیا۔ اگر کسی سے کہا گیا۔ رضائے الٰہی طلب کر۔ اس نے کہا مجھے نہیں چاہیے یا کہا نافرمانی مت کر۔ اللہ تجھے دوزخ کے عذاب میں ڈالے گا۔ اس نے کہا: میں دوزخ سے نہیں ڈرتا یا گناہ کرنے والے کو کہا: خدا کا عذاب سخت ہے۔ اس نے کہا میں عذاب کو ایک ہاتھ میں اٹھالوں گا تو تکفیر کی جائے گی (۶۷) کیونکہ اس نے بیزاری اور تمسخر کا مظاہرہ کیا۔ اگر کسی نے کہا ر ندبننا وخلافِ شرع کرنا' عالم بننے سے اچھا ہے تو یہ کفر ہے (۶۸) کیونکہ اس نے شریعت کو ناپسند کیا۔

۸۔ کفر کا ارادہ کرنا' پسند کرنا یا ترغیب دلانا: اس اصول کا ذکر بھی پہلے ہو چکا ہے۔ اور یہ متعدد آیات سے مستنبط ہے۔ مثلاً "اِنَّ اللّٰہَ لَایَرْضٰی لِعِبَادِہِ الْکُفْرَ" (۶۹) اللہ اپنے بندوں کیلئے کفر پسند نہیں کرتا) یعنی اسلام کا کفر کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے۔ اسی طرح "قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ لَآاَعْبُدُمَاتَعْبُدُوْنَ" (۷۰) (آپ کہہ دیجئے اے کافرو! جس کی تم عبادت کرتے ہو میں اس کی عبادت نہیں کرتا)

جزئیات: اگر کسی نے کفر کا مصمم ارادہ کیا۔ اگرچہ سو برس کے بعد کفر کرنے کا ارادہ کیا ہو تو فی الحال کافر ہو جائے گا (۷۱) کیونکہ اس نے کفر کو پسند کر کے قرآنی حکم کی مخالفت کی۔ اگر کسی نے دوسرے کو کلمہ کفر کی تلقین کی تو مرد مذکور کافر ہو جائے گا۔ اگرچہ بطور لعب کے ہو۔ اسی طرح اگر کسی نے دوسرے کی عورت کو حکم دیا کہ مرتد ہو کر اپنے شوہر سے الگ ہو جائے تو یہ حکم دینے والا کافر ہو جائے گا۔ یہ امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے۔ امام اعظمؒ سے منقول ہے کہ دوسرے کو کافر ہونے کا حکم دینے والا خود کافر ہو جائے گا۔ خواہ مامور نے کفر کیا یا نہ کیا (۷۲) کیونکہ ان صورتوں میں کفر کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ اگر زید نے عمرو سے کہا: اللہ تجھ سے مسلمانی الگ کرے اور بکر نے کہا: آمین۔ تو یہ دونوں کافر ہوں گے۔ (۷۳) کیونکہ ان دونوں نے کفر کی خواہش کی اور اسے پسند کیا۔ اگر کسی نے کہا مجوس ہم سے بہتر ہیں۔ اس چیز سے جس میں ہم ہیں۔

یعنی ہمارے فعل سے مجوس کا فعل اچھا ہے تو تکفیر کیا جائے گا(۷۴) کیونکہ اس نے اسلام کی تحقیر اور دوسرے مذہب کی تعظیم کی۔

۹۔ مسلمان کو کافر کہنا : اس اصول کی بنیاد حضور ﷺ سے منقول یہ حدیث ہے :

"ایمارجل قال لاخیہ یاکافرفقد باء بھااحدھما"(۷۵)

(جس نے اپنے بھائی کو "اے کافر" کہا۔ ان میں سے ایک اس کا مستحق ہو گیا)

جزئیہ : اگر کسی نے دوسرے کو یا کافر کہا۔ اگر کہنے والے کی نیت اس کی برائی کی نہیں بلکہ اس کو کافر اعتقاد کر کے اپنے اعتقاد کے مطابق ان کلمات سے مخاطب کیا تو اس کی تکفیر کی جائے گی(۷۶) کیونکہ وہ خود مندرجہ بالا حدیث کا مقصداق ٹھہرا۔

۱۰۔ ساحر : جادو کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور اسے کفر قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے :

"وَمَاكَفَرَسُلَيْمَانُ وَلٰكِنَّ الشَّيَاطِيْنَ كَفَرُوْايُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ"(۷۷)

(حضرت سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا۔ بلکہ شیاطین نے کفر کیا۔ جو لوگوں کو جادو سکھاتے تھے)

اصطلاح قرآن میں سحر ایسے امرِ عجیب کو کہا جاتا ہے جس میں شیاطین کو خوش کر کے ان سے مدد حاصل کی جاتی ہے۔ اس کی مزید وضاحت یہ ہے کہ جس سحر میں کوئی عملِ کفر اختیار کیا گیا ہو۔ جیسے شیاطین سے استغاثہ واستمداد یا کواکب کو مستقل ماننا یا سحر کو معجزہ قرار دیکر اپنی نبوت کا دعویٰ کرنا تو یہ سحر باجماع کفر ہے(۷۸)

اس کی سزا کے متعلق حضور ﷺ کا فرمان ہے :

"حدالساحرضربہ بالسیف"(۷۹)(جادوگر کی سزا یہ ہے کہ اسے تلوار سے قتل کر دو)

اسی لئے ابن نجیم لکھتے ہیں کہ اس کی توبہ قبول نہیں(۸۰) جعفری مسلک میں بھی یہی حکم ہے (۸۱) ابو منصور ماتریدی سے منقول ہے کہ جس سحر میں ایمان کا رد ہو وہ کفر ہے ورنہ نہیں اور اس میں صرف مردوں کا قتل ہے۔ عورتوں کا نہیں۔ جو سحر کفر نہیں۔ اگر اس کے ذریعے ہلاکت کی جائے تو اس کا حکم قطاع الطریق کا ہے۔ کیونکہ یہ فساد فی الارض ہے۔ جادوگر کی توبہ مقبول ہے جیسا کہ فرعون کے جادوگروں کا ایمان معتبر تھا۔ لہذا عدم قبول توبہ کا قول غلط ہے(۸۲)

عدمِ تکفیر کے احتیاطی اصول

جس طرح عام دنیوی معاملات میں عدالتی فیصلے کے وقت احتیاط کا دامن پکڑا جاتا ہے

اور ملزم کو مجرم ثابت کرنے کیلئے قطعی دلائل کی ضرورت ہوتی ہے۔اسی طرح تکفیر میں بھی حتی الوسع احتیاط کی جائے اور تکفیر سے گریز کا راستہ اختیار کیا جائے گا۔اس معاملے میں احناف کے احتیاطی اصول یہ ہیں :

۱۔ کسی عملی گناہ پر تکفیر نہ کی جائے : اس اصول کی بنیاد امام ابو حنیفہؒ کا یہ قول ہے "لانکفر مسلمابذنب من الذنوب وان کانت کبیرة اذالم یستحلها"(۸۳)یہ اصول متعدد احادیث سے ماخوذ ہے مثلا : من قال لااله الاالله وکفرمایعبدمن دون الله حرم ماله ودمه وحسابه علی الله"(۸۴)(جس نے کلمہ پڑھا غیر خدا کی عبادت سے انکار کیا۔اس کا مال اور خون محفوظ ہوا۔اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے)اسی طرح ابو طالب کی وفات کے وقت حضور ﷺ پہنچے اور کہا : اے چچا! کلمہ شہادت پڑھ لو۔میں تمہارے ایمان کی شہادت دوں گا(۸۵)

چونکہ احناف کے ہاں اعمال 'ایمان کا حصہ نہیں۔اس لئے ترک اعمال اور ارتکاب گناہ پر کفر لازم نہیں آتا۔البتہ وہ فاسق وفاجر ہے۔وہ احادیث جن میں ترکِ عمل پر کفر کی وعید ہے ان کی تاویل کی جائے گی۔مثلاً "من ترک الصلوٰة متعمدا فقدکفر"(جس نے قصداً نماز چھوڑی بے شک وہ کافر ہوا)۔یہاں ترک سے مراد ہے کہ وہ ترک کو جائز سمجھے(۸۶)

اس اصول کی بنیاد پر ان لوگوں کی تکفیر نہیں کی جاسکتی جو کہ نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج وغیرہ کی ادائیگی میں غفلت کا مظاہر کرتے ہیں اور قدرت کے باوجود ان کی ادائیگی نہیں کرتے۔

۲۔ تاویل کا احتمال ہو تو تکفیر نہ کی جائے : یعنی اگر کسی کے کفریہ کلمے یا فعل میں تاویل کی گنجائش ہو تو اسکی تکفیر نہیں کرنی چاہیے۔چنانچہ اصول یہ ہے :"اذاکان فی المسئلة وجوه توجب التکفیر ووجدواحد یمنع التکفیر الخ"(۸۷)(جب کسی مسئلہ میں ایسی وجوہات ہوں جن سے تکفیر لازم ہوتی ہو۔اور ایک وجہ ایسی ہو جو تکفیر سے مانع ہو تو مفتی پر لازم ہے کہ وہ اس وجہ کی طرف رخ کرے جو تکفیر سے روکتی ہے۔مسلمان کے ساتھ حسن ظن کا یہی تقاضا ہے۔اس لئے کہ کفر انتہائی سزا ہے۔تو اس کیلئے انتہائی جرم ہونا ضروری ہے۔احتمال کی موجودگی میں کوئی جرم نہیں۔

اسی اصول کو ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں زیادہ وضاحت سے ذکر کیا ہے۔جس کے الفاظ یہ ہیں :

"وقدذکرواان المسئلةالمتعلقةبالکفراذاکان لهاتسع وتسعون احتمالاً واحد

فی نفیہ۔فالاولی للمفتی والقاضی ان یعمل بالاحتمال النافی۔لان الخطاء فی ابقاء الف کافراھون من الخطاء فی افناء مسلم واحد"(۸۸)

(فقہاء نے ذکر کیا ہے کہ کفر سے متعلق مسئلہ میں جب ننانوے احتمالات کفر کے ہوں اور ایک احتمال اسکی نفی کرتا ہو تو مفتی اور قاضی کیلئے بہتر ہے کہ نفی کرنے والے احتمال پر عمل کریں۔اس لئے کہ ہزار کفار کو باقی رکھنے میں خطا کر جانا زیادہ آسان ہے بنسبت اس کے کسی مسلمان کو فنا کیا جائے)

مندرجہ بالا اصول کی بنیاد حدیث سے فراہم ہوتی ہے۔آپ ﷺ کا فرمان ہے :

"ادرأوالحدود عن المسلمین مااستطعتم فان کان له مخرج فخلوا سبیله"(۸۹)

(ممکن حد تک مسلمانوں سے حدود کو دفع کرو۔اگر نکلنے کا راستہ ہے تو کا راستہ چھوڑ دو)

ابن ماجہ نے اس مقام پر عنوان باندھا ہے :

"باب رفع الحدود بالشبهات"(۹۰)(یعنی شبہ کی وجہ سے حد کو ساقط کردو۔)

جزئیہ :اس اصول کی تشریح ایک مثال سے دیکھئے۔کسی شخص نے دوسرے کو نماز کی تلقین کی۔ اس نے کہا : میں نہیں پڑھوں گا۔اس میں چار احتمالات ہیں۔نہیں پڑھوں گا کیونکہ میں پڑھ چکا ہوں۔دوسرا احتمال تیرے حکم سے نہیں پڑھوں گا۔تیسرے یہ کہ ازراہ فسق اور بے باکی کے کہتا ہے۔ان تینوں صورتوں میں کفر لازم نہیں آتا۔چوتھی یہ ہے کہ نہیں پڑھوں گا کیونکہ مجھ پر واجب نہیں۔اس چوتھی صورت میں تکفیر کی جائے گی(۹۱)یعنی مطلقاً نماز سے انکار پر تکفیر نہیں کرنی چاہیے۔بلکہ وجوب سے انکار پر تکفیر ہوگی۔

۳۔ غیر تشریعی امور میں تکفیر نہ کی جائے : یعنی وہ امور جن کا تعلق دین ومذہب کے ساتھ نہیں بلکہ محض دنیوی امور اور ذاتی معاملات کے ساتھ ہے تو انکار یا ناپسندیدگی کی بنا پر تکفیر نہیں کی جائے گی۔

یہ اصول بھی قرآن وحدیث سے مستنبط ہے۔چنانچہ حضور ﷺ نے زید بن حارثہؓ کو فرمایا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق نہ دے۔مگر ان کے تعلقات زیادہ ہی کشیدہ ہو چکے تھے۔اس لئے انہوں نے طلاق دے دی(۹۲)یہاں حضور ﷺ کی ہدایت کی مخالفت کے باوجود حضرت زید کو کسی قسم کی وعید نہیں کی گئی۔

اسی طرح تابیر نخل کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے اپنے چند اصحاب کو دیکھا کہ وہ کھجور کے درخت کو پیوند کر رہے ہیں۔پوچھنے پر انہوں نے بتلایا کہ کھجور کے مذکر مؤنث

کااس طرح پیوند کرنے سے پھل زیادہ آتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایااس کی ضرورت نہیں۔ صحابہ کرامؓ رک گئے۔ مگراس مرتبہ موسم کا پھل کم آیا۔جب حضور ﷺ سے اس کاذکر ہوا تو آپ نے فرمایا۔ میں نے وہ بات اپنی رائے سے کہی تھی۔لہذا تم پیوند کرو۔ پھر فرمایا تم دنیوی معاملہ کوزیادہ سمجھتے ہو(۹۳)

امام مسلم نے اس واقعہ کواصول کی شکل دی اورباب کا یہ عنوان رکھا۔"باب وجوب امتثال ماقاله شرعاً دون ماذكره من معايش الدنياعلى سبيل الرأى"(۹۴)یعنی حضور ﷺ کی شرعی باتوں کو ماننا واجب ہے مگر جو دنیوی باتیں آپ اپنی رائے سے کہیں۔ انہیں ماننا ضروری نہیں۔

جزئیہ :اس اصول کی تشریح ایک مثال سے کرتے ہیں۔ایک شخص نے دوسرے سے کہا۔ حضور ﷺ کدو پسند کرتے تھے۔دوسرے نے کہا۔ میں کدو پسند نہیں کرتا۔اس کی تکفیر نہیں کی جائے گے(۹۵) کیونکہ کدو کھانا نہ کھانا شرعی مسئلہ نہیں۔بلکہ اس کا تعلق انسان کی اپنی طبیعت اور مزاج سے ہے۔ جہاں تک امام ابو یوسفؒ کے واقعہ کا تعلق ہے کہ آپ نے ایسے ہی ایک موقعہ پر کدو کو ناپسند کرنے والے کی تکفیر کی تھی۔ تواس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے یہ بات اہانتاً کہی تھی۔

۴۔ فقہا کے تکفیری فتاویٰ غیر معتبر ہیں : فقہی احکام کے علماء کی دو قسام ہیں۔ مجتہدین فقہا۔غیر مجتہدین فقہا۔ تکفیر کے معاملے میں اصول یہ ہے۔ماصح عن المتجهدين فهوعلى حقيقةواماماثبت عن غيره فلايفتى به فى مثل التكفير-والذاقال فى فتح القديرمن باب البغاةلذين هم المجتهدون فى الخوارج عدم تكفيرهم-ويقع فى كلام اهل المذهب تكفيركثيرلكن ليس من كلام الفقهاء الذين هم المجتهدون-بل من غيرهم ولا عبرة"(۹۶)(جو تکفیر مجتہدین سے منقول ہو وہ صحیح ہو گی لیکن جو تکفیر غیر مجتہدین سے ثابت ہو۔ تواس قسم کی تکفیر پر فتوی نہیں دیا جائے گا۔اسی لئے فتح القدیر کے باب البغاۃ میں لکھا ہے کہ مجتہدین سے خوارج کی عدم تکفیر ہی ثابت ہے۔اہل مذہب کے کلام میں بہت سے تکفیری مسائل ہیں۔لیکن وہ فقہاء مجتہدین کا کلام نہیں۔بلکہ غیر مجتہدین کا کلام ہے۔اوران کا کوئی اعتبار نہیں)

مندرجہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ مجتہدین کا مقام ومرتبہ عام فقہا سے اعلی ہے۔لہذا اگر کسی موقعہ پر ان کے کلام میں تعارض یا اختلاف پیدا ہو تو مجتہدین کی عبارات کو ترجیح دی جائے گی۔ پھر خارجی فرقہ کے حوالے سے ایک جزئیہ بھی بطور مثال پیش کیا ہے کہ بعض فقہاء ان کی

تکفیر کرتے ہیں (کیونکہ وہ صحابہ کرامؓ اور مسلمانوں کی تکفیر کرتے تھے اور ان کا قتل بھی کرتے) مگر مجتہدین نے ان کی تکفیر نہیں کی۔ کیونکہ وہ اہل قبلہ تھے۔

۵۔ اختلاف کی صورت میں تکفیر غیر مؤثر ہوگی: ابن نجیم کا قول ہے :

"اوکان فی کفرہ اختلاف ولوروراية ضعيفة" (۹۷) (یعنی اگر کسی مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہو کہ بعض فقہاء اس کی تکفیر کریں اور بعض نہ کریں تو ایسے موقعہ پر مفتی کو چاہیے کہ وہ کفر کا فتوی جاری نہ کرے۔ چنانچہ اگر کوئی ضعیف روایت بھی میسر آئے۔ جس کے ذریعے تکفیر کو ٹالا جاسکے تو اس ضعیف روایت کو بھی قبول کر لیا جائے۔

اسی اصول کو ایک دوسرے فقیہہ نے تہدیدی' تخویفی کے عنوان سے پیش کیا ہے۔ مثلاً فتاوی عالمگیری میں تکفیری مسائل کی ایک طویل فہرست ہے جس میں بہت سے کلمات پر تکفیر کا حکم لگایا گیا ہے۔ ایک سائل نے ان میں سے چند مسائل لکھ کر مولانا عبدالحیؒ کی طرف بھیجے اور ان کی رائے پوچھی۔ اس سوال و جواب کی بحث قارئین کے سامنے لائی جاتی ہے تاکہ معاملہ مزید واضح ہو جائے۔

> "جو شخص حضرت ابوبکر صدیقؓ کی امامت کا انکار کرے' وہ کافر ہے۔ رافضی جبکہ شیخین (حضرت ابوبکر اور عمر) کو گالی دے تو کافر ہے۔ معتزلی جب خدائی دیدار کو محال جانے تو کافر ہے۔ اگر اگر کوئی کہے کہ اگر حضرت آدمؑ نے گندم کا دانہ نہ کھایا ہوتا تو ہم بدبخت نہ ہوتے' تو وہ کافر ہے۔ اگر ایک شخص کہے کہ حضور ﷺ کدو پسند کرتے تھے۔ دوسرا کہے۔ میں تو پسند نہیں کرتا تو یہ کفر ہے۔ اگر کسی نے کہا کہ انبیاء نے نافرمانی نہیں کی نبوت کے وقت بھی اور نبوت سے پہلے بھی۔ تو وہ کافر ہے۔ ایسے بہت الفاظ ہیں۔ ایسی باتیں کہنے والے کو کافر کہا ہے۔ اس جگہ کفر سے کونسا کفر مراد ہے۔ کیا ایسے شخص کو توبہ کے بغیر ہم اسلام سے خارج سمجھیں اور وراثت میں حصہ نہ دیں' اور اس کے ساتھ مناکحت ختم کریں یا نہیں۔ جو کچھ مفتی بہ حکم ہو۔ اسے تحریر فرماویں۔ اجر ملے گا۔

__جواب__: اس قسم کے کلمات کہنے والے کے کفر سے مراد کفر تہدیدی ہے (ڈرانے کیلئے) نہ کفر حقیقی۔ بحر الرائق وغیرہ میں اس کی تصریح ہے واللہ اعلم۔ کتبہ 'محمد علی عبدالحی۔" (۹۸)

۶۔اعتقاد ہونا : تکفیر کیلئے ضروری ہے کہ کفریہ بات کہنے والے نے وہ بات صرف قصداً ہی نہیں بلکہ کافر بننے کے ارادے سے کہی ہو۔چنانچہ ابن نجیم کا قول ہے :"فی الجامع الاصغر اذااطلق الرجل کلمةالکفرعمداًلکنه لم یعتقدالکفر۔قال بعض اصحابنا لایکفر۔لان الکفر یتعلق بالضمیر ولم یعتقدالضمیر الکفر وقال بعضم یکفر وهوالاصح عندی لانه استخف بدینه"(۹۹)(الجامع الاصغر میں ہے کہ جب آدمی نے قصداً کلمہ کفر کہالیکن اس نے کفر کاارادہ نہیں کیا۔ہمارے بعض اصحاب نے کہا :وہ شخص کافر نہیں ہوگا۔اس لئے کہ کفر کا تعلق ضمیر کے ساتھ ہے اور ضمیر نے کفر کا عقیدہ اختیار نہیں کیا جبکہ بعض اصحاب نے کہاوہ شخص کافر ہو جائے گا۔میرے نزدیک یہی صحیح ہے کیونکہ اس نے دین کے ساتھ استخفاف کیایعنی دین جیسی اہم اور باعظمت چیز کو بالکل ہلکااور معمولی سمجھا۔

اس عبارت سے معلوم ہواکہ عدم اعتقاد کے وقت اس شخص کی تکفیر میں اختلاف ہے۔پھر جب تکفیر میں اختلاف ہو جائے تو ملزم کو فائدہ پہنچتا ہے۔غالباً یہی وجہ ہے کہ تکفیری عبارات پیش کرنے کے بعد بحث کے آخر میں ابن نجیمؒ نے اپنے متعلق یہ فیصلہ کیا"وقدالزمت نفسی ان لاافتی بشئی منها"(۱۰۰)(میں نے اپنے لئے یہ بات لازم کرلی ہے کہ ان الفاظ پر میں تکفیر کا فتوی نہیں لگاؤں گا)

اس جگہ اشکال ہو سکتا ہے کہ ارشادباری تعالی ہے"اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَاتَشْعُرُوْنَ"(۱۰۱)(یعنی حضور ﷺ کی گستاخی کی وجہ سے تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔اور تمہیں خبر بھی نہ ہوگی۔اس سے معلوم ہواکہ عدم اعتقاد توکیا'بے شعوری کی حالت میں بھی اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔

اس اشکال کاجواب ابو عبداللہ القرطبیؒ سے سنئے۔آپ لکھتے ہیں کہ "ولیس قوله("اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَاتَشْعُرُوْنَ")بموجب "ان یکفرالانسان وهولایعلم فکما لایکون الکافر مؤمناالاباختیاره الایمان علی الکفر کذالک لایکون المؤمن کافراً من حیث لایقتصدالی الکفر ولایختاره باجماع"(۱۰۲)

(ارشادباری ان تحبط اعمالکم کا یہ مطلب نہیں کہ انسان کافر ہو جائے اور اسے پتہ بھی نہ ہو۔کیونکہ کافر مومن نہیں بن سکتا۔مگر یہ کہ وہ کفر کی بجائے ایمان کو پسند کرے۔اسی طرح مؤمن کافر نہیں بن سکتاجب تک کہ وہ کفر کاارادہ نہ کرے اور اسے اختیار نہ کرے۔اس پر اجماع ہے)

قرطبیؒ کی اس عبارت سے مندرجہ بالا اصول کی تائید ہوتی ہے کہ کفر کیلئے اعتقاد کا ہونا ضروری ہے۔ اس تمام بحث کو ملا علی قاریؒ کی اس عبارت پر ختم کرتے ہیں :

"وعلی الجملة ففی لعن الاشخاص خطر فلیجتنب ولا خطر فی السکوت عن لعن ابلیس فضلاً عن غیره" (۱۰۲۔الف)

(خلاصہ کلام یہ کہ اشخاص پر لعنت بھیجنے میں خطرہ ہے مگر خاموش رہنے میں خطرہ نہیں۔ یہاں تک کہ ابلیس پر لعنت بھیجنے سے خاموش رہنے میں بھی چہ جائیکہ کسی اور کا معاملہ ہو)

احتیاط کا دوسرا رخ

گزشتہ صفحات پر دو بحثیں گزریں جن میں سے پہلی بحث : یعنی تکفیری اصول پڑھ کر انسان حیرت زدہ بلکہ خوف زدہ ہو جاتا ہے کہ تکفیر کا باب کتنا وسیع ہے اور اس اعتبار سے کتنے فیصد لوگ ہوں گے جو حقیقی مسلمان کہلانے کے حق دار ہوں گے۔ پھر جب دوسری بحث یعنی احتیاطی اصولوں کا مطالعہ کرتا ہے کہ تو اسے خاصا اطمینان ہوتا ہے کہ گو ہم فاسق و فاجر ہیں مگر ہمارا اسلام بہر حال قائم ہے۔

روشنی و تاریکی کے ان دونوں پہلوؤں کے ساتھ پھر یہ اشکال ابھرتا ہے کہ بعض مقامات پر فقہاء کے کلام میں صرف اختلاف ہی نہیں بلکہ صریح تضاد نظر آتا ہے کہ کہیں تکفیر ہے اور کہیں عدم تکفیر۔ اس کی کیا وجہ ہے ؟

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ ایک مسئلہ ہے کافر ہونا اور دوسرا مسئلہ ہے کافر قرار دینا۔ یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ چنانچہ عین ممکن ہے کہ کوئی انسان کفریہ کلمہ بولنے کے باوجود از روئے احتیاط تکفیر کی زد میں نہ آئے۔ اور دنیوی سزا سے بچ جائے۔ مگر در حقیقت یعنی عنداللہ وہ کافر ہو جائے۔ ایسی صورت میں اسے چاہیے کہ وہ توبہ و استغفار کرے' اس لفظ سے رجوع کرے اور احتیاطاً نکاح کی بھی تجدید کرے۔ (۱۰۳)

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس قسم کے الفاظ کا متکلم یا افعال کا مرتکب در حقیقت خطرناک کنارے پر کھڑا ہے اور کسی بھی وقت کفر کی گھاٹی میں گر سکتا ہے۔ لہذا ایسے شخص کو نہ صرف خبردار کرنا ضروری ہے بلکہ اسے ڈرانا بھی ضروری ہے۔ ورنہ ایسا شخص مزید جری ہو سکتا ہے اور اگلے قدم کے طور پر شریعت کی آخری حدود کو توڑ سکتا ہے۔ لہذا اسے فوراً خبردار کرنا اور واپس بلانا ضروری ہے کہ ان حدود کے قریب بھی نہ پھٹکو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے : "تِلْکَ حُدُوْدُاللّٰهِ

فَلَاتَقْرَبُوْهَا" (۱۰۴)(یہ اللہ کی حدود ہیں۔ تم ان کے قریب مت جاؤ)

۳۔ تیسری بات یہ ہے کہ مختلف فیہ کفریہ کلمہ بولنے پر تکفیر تو نہ ہوگی لیکن اگر ایسی حالت میں کسی دوسرے شخص نے اٹھ کر اسے قتل کر دیا تو قاتل پر کچھ لازم نہ ہوگا۔ (۱۰۵) کیونکہ جس طرح اس آدمی کو شک کا فائدہ پہنچا اور تکفیر سے بچ گیا۔ اسی طرح دوسرے شخص کو بھی شک کا فائدہ پہنچے گا۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کی دانست میں وہ کلمہ کفریہ ہو۔ جس کی وجہ سے وہ آدمی مرتد ہوا اور مرتد کا قتل لغو ہو جاتا ہے۔

۴۔ یہ درست ہے کہ بعض کلمات کے کفریہ ہونے میں اختلاف ہے۔ جس کی وجہ سے تکفیر نہیں کی جاتی۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ایسے شخص کو مکمل چھوٹ دے دی جائے کہ جو جی میں آئے کرتا پھرے اور جو کچھ منہ میں آئے کہتا پھرے۔ نہیں بلکہ حکومت وقت اس کی تعزیر کرے کیونکہ کوئی اسلامی حکومت اس قسم کی ذہنی آوارگی کی اجازت نہیں دے سکتی بالخصوص انبیاء عظام ؑ اور صحابہ کرامؓ کی توہین کا مسئلہ خاصا اہم اور بڑا نازک ہے۔ پھر صحابہ میں سب شیخین یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کو (نعوذباللہ) گالی دینے کے معاملے میں فقہاء کے تین مؤقف سامنے آتے ہیں۔ شرح فقہ اکبر میں ہے کہ سب شیخین کفر نہیں۔ کیونکہ مسلمان کو گالی دینا گناہ ہے کفر نہیں۔ اس حکم میں شیخین اور دیگر لوگ برابر ہیں (۱۰۶) دوسرا مؤقف یہ ہے کہ ایسے شخص کی تکفیر کی جائے (۱۰۷) تیسرا مؤقف یہ ہے کہ ایسا شخص واجب القتل ہے اور اس کی توبہ بھی مقبول نہیں۔ (۱۰۸) اب اگر اصولِ احتیاط پر عمل کرتے ہوئے اس کی تکفیر نہ بھی کریں تو بھی اصحاب نبی پر طعن کرنے والے کو تعزیر ضرور کی جائے گی۔ اس کی تائید میں متعدد واقعات اور دلائل موجود ہیں مثلاً :

۱۔ حضرت علیؓ کو معلوم ہوا کہ فلاں مقام پر دو اشخاص حضرت عائشہؓ کو گالیاں دے رہے ہیں۔ آپ نے قعقاع بن عمرو کو حکم دیا کہ وہ دونوں کو سو سو کوڑے لگائے اور انہیں لباس سے برہنہ کرے (۱۰۹)

۲۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس ایسا شخص لایا گیا۔ جس نے حضرت عثمان غنیؓ کو گالی دی تھی۔ آپ نے اس سے وجہ دریافت کی۔ اس نے کہا۔ مجھے ان سے عداوت ہے۔ آپ نے کہا عداوت کا یہ مطلب تو نہیں کہ گالی بھی دے۔ پھر آپ نے اسے تیس کوڑے لگوائے۔ اسی طرح حضرت معاویہؓ کو برا کہنے پر بھی آپ نے کوڑوں کی سزا دی۔ حالانکہ آپ

کوڑوں کی سزا نہیں دیتے تھے۔(۱۱۰)

۳۔ مامون الرشید کے پاس رقہ میں دو اشخاص پیش کئے گئے۔ایک نے حضرت فاطمہؓ کو اور دوسرے نے حضرت عائشہؓ کو گالی دی تھی۔ تو مامون الرشید نے حضرت فاطمہؓ کے خلاف بدکلامی کرنے والے کو قتل کا حکم دیا اور دوسرے کو چھوڑ دیا۔ اسماعیل نے کہا ان دونوں کے متعلق قتل کا حکم ہونا چاہیے کیونکہ جس نے حضرت عائشہؓ کو گالی دی۔ اس نے قرآن مجید کی تکذیب کی۔ اہل علم اور اہل فقہ کا یہی دستور رہا ہے(۱۱۱)

۴۔ ابو الصائب قاضی کہتے ہیں کہ میں ایک دن حسن بن زید کے پاس تھا۔ جو کہ طبرستان کے علاقے میں داعی تھے کہ ایک شخص نے حضرت عائشہؓ کا ذکر بدکاری کے حوالے سے کیا۔ آپ نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا۔ علویوں نے اس پر احتجاج کیا اور کہا۔ یہ شخص ہمارے شیعہ افراد میں سے ہے۔ آپ نے کہا: معاذاللہ اس شخص نے حضرت محمد ﷺ پر طعن کیا ہے۔ کیونکہ اگر عائشہ بدکار ہے تو حضور ﷺ بھی بدکار ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید کی آیت ہے "اَلْخَبِيْثَاتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثَاتِ" (بدکار عورتیں بدکار مردوں کیلئے ہیں اور بدکار مرد بدکار عورتوں کیلئے ہیں) پھر آپ نے میری موجودگی میں اس کی گردن کٹوادی(۱۱۲)

اسی قسم کے واقعات ملحوظ رکھتے ہوئے امام احمدؒ نے یہ مسلک اختیار کیا کہ جو کوئی اصحاب رسول ﷺ اور اہل بیت کو گالی دے۔ اسے عبرت ناک سزا دی جائے اور امام مالکؒ کا مذہب ہے کہ سب شیخین پر کوڑے لگائے جائیں(۱۱۳)

اس تمام بحث اور حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ اصحابِ نبی ﷺ پر طعن کرنے کی وجہ سے تکفیر میں تو اختلاف ہو سکتا ہے مگر ایسے شخص کی تعزیر میں کوئی اختلاف نہیں۔

دوسری وجہ یہ کہ رائے عامہ کے لحاظ سے یہ ایک نازک مسئلہ ہے۔ فتنہ و فساد کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ لہذا ملکی امن و امان برقرار رکھنے کیلئے اس معاملے میں چھوٹ یا ڈھیل دینا قطعاً مناسب نہیں۔

جماعتی تکفیر

تکفیری اصولوں پر مشتمل سابقہ بحث کا تعلق انفرادی حال و احوال سے تھا کہ اگر کسی شخص نے کفریہ کلمہ یا فعل کا ارتکاب کیا' تو اس کا کیا حکم ہے ؟ اس سلسلے کی دوسری بحث یہ ہے کہ اگر جماعتی تکفیر کا معاملہ ہو۔ یعنی کوئی گروہ اور جماعت ایسے نظریات کی حامل ہو جو غلط ہونے کی

وجہ سے قابل گرفت ہوں یا حقیقتاً وہ نظریات کافرانہ ہوں تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بلا شبہ انفرادی معالہ آسان ہوتا ہے۔ مگر جب کوئی معاملہ اجتماعی شکل اختیار کر جائے تو وہ زیادہ سنگین ہو جاتا ہے۔ پھر جب انفرادی معاملات میں عام فقہاء کی طرف سے کی گئی تکفیر غیر معتبر ہے۔ تو اجتماعی مواقع پر ایسی تکفیر کا کیسے اعتبار کیا جاسکتا ہے ؟ لہذا ایسے مواقع پر مجتہدین کے اقوال و نظریات کی اہمیت از خود دو چند ہو جاتی ہے۔

مثلاً عہد علوی میں خوارج کا ایک گروہ پیدا ہوا۔ یہ گروہ نہایت متعصب و متشدد تھا اور مخصوص عقائد و نظریات کا حامل تھا۔ اگر جزئیات کے اعتبار سے بھی پرکھا جائے تو ان کی تکفیر کی واضح گنجائش موجود تھی۔ کیونکہ یہ لوگ صحابہ کرامؓ یعنی حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو (نعوذباللہ) کافر کہتے۔ خون مسلم کو حلال سمجھتے۔ سورہ یوسف کو قرآن مجید کا حصہ نہ مانتے۔ ان تینوں نظریات میں سے ہر ایک نظریہ پر ان کی تکفیر ہو سکتی تھی۔ مگر اس کے باوجود مجتہدین کا فیصلہ ان کے متعلق یہی ہے "ان الذی صح عن المجتهدين عدم تكفيرهم" (۱۱۴) (مجتہدین کی صحیح روایت کے مطابق یہ لوگ کافر نہیں)۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ایک تو مجتہد کا مقام عام فقیہہ کی نسبت ویسے ہی برتر ہے۔ دوسرے یہ کہ مجتہدین موقعہ کے گواہ ہونے کی وجہ سے حالات سے زیادہ باخبر تھے۔ یعنی ائمہ مجتہدین اور خوارج دونوں ہم عصر تھے اور ان کا تعلق دوسری صدی سے تھا۔ ان دونوں وجوہ سے ان کی رائے قابل ترجیح ٹھہرتی ہے۔ پھر جب انہوں نے تکفیر نہیں کی تو کسی فقیہہ کی طرف سے کی گئی تکفیر کیسے معتبر ہو سکتی ہے۔

اسی قسم کی صورت حال رافضی فرقہ کے متعلق ہے کہ ان کے نظریات بھی عامۃ المسلمین سے کافی مختلف ہیں۔ جس کی وجہ سے فقہاء نے ان کے متعلق کافی بحث کی ہے۔ لیکن یہاں بھی مجتہدین کا فیصلہ ہی قابل ترجیح ہے۔

مثلاً ھدایہ کی کتاب الشھادۃ میں ہے :"تقبل عن اهل الهواء اى اصحاب بدع لا تكفر كجبر وقدر ورفض وخروج---(۱۱۵)(اہل بدعت جو کہ کافر نہیں (ان کی گواہی) معتبر ہے۔ جیسے جبریہ 'قدریہ' رافضی خارجی وغیرہ۔ (جب ان کی گواہی معتبر ہے تو وہ مسلمان ہیں)۔

اسی طرح ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں کہ شیخین کو گالی دینا کفر نہیں۔ جیسا کہ ابو الشکور سالمی نے اپنی تمہید میں لکھا ہے۔ کیونکہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔ خواہ شیخین

ہی ہوں۔ بالفرض کوئی شیخین کو قتل بھی کر دے تو وہ کافر نہیں ہوتا۔ پھر گالی دینے سے کافر کیسے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ گالی تو قتل سے کم تر جرم ہے۔ ہاں اگر گالی یا قتل کو حلال سمجھے تو وہ یقیناً کفر ہے۔ اگر سب شیخین پر کفر کی حدیث ہے تو اس کی تاویل ضروری ہے۔ جیسا کہ حدیث ہے "من ترک الصلوٰۃ فقد کفر" اس کی یہ تاویل کی جاتی ہے کہ جو نماز کا ترک حلال سمجھے وہ کافر ہے (۱۱۶)

دوسرے مقام پر فقہ اکبر میں مذکور ہے: اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ تمام فقہاء اور متکلمین کا بھی یہی قول ہے۔ دوسری طرف سب شیخین پر کفر کا فتویٰ بھی ہے۔ تو ان دونوں حکموں کو کیسے جمع کریں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ فتاوی کی کتب میں (تکفیر کا) یہ قول مجہول طریقے سے منقول ہے کہ اس کا قائل معلوم نہیں۔ پھر اس (قول) کے دلائل بھی واضح نہیں۔ ایسی صورت میں یہ حکم قطعی دلائل پر مبنی نہ ہونے کی وجہ سے غیر معتبر ہے (۱۱۷)

دوسری بات یہ ہے کہ کسی مسلمان کی تکفیر سے بہت سے جلی اور خفی مفاسد نمودار ہوتے ہیں۔ ابن ہمام نے ھدایہ کی شرح میں اس کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ: باوجودیکہ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ سے عدم تکفیر اہل قبلہ ثابت ہے۔ ہم 'اہل ہوا اور اہل بدعت کی تکفیر اس انداز سے کرتے ہیں کہ ان کے عقیدے بذاتِ خود کافرانہ ہیں (مگر تاویل کے سبب ان کو کافر کہنا صحیح نہیں (۱۱۸)

مناسب ہوگا کہ اس مقام پر علم کلام کے امام کا بھی حوالہ دیا جائے۔ مسائرہ میں ہے کہ شیخ اشعری نے کہا ہے کہ اسلام (کا لفظ) ان کو بھی شامل ہے۔ اس طرح متکلمین کا مسلک عدم تکفیر ہے جبکہ فقہاء کا مسلک شدت پر محمول ہے (۱۱۹) لہذا ان کی تکفیر غیر معتبر ہے۔ اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔ مجتہدین یعنی امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور ابو الحسن اشعریؒ سے روافض کی عدمِ تکفیر ثابت ہے اور انہوں نے اس گروہ کو اہل اسلام میں شمار کیا ہے۔

۲۔ فقہاء نے جو تکفیر کی ہے وہ عقائد کے اعتبار سے کی ہے نہ اصحاب عقائد کے اعتبار سے یعنی کافرانہ عقیدہ ایک چیز ہے مگر کافر قرار دینا دوسری چیز ہے۔

۳۔ اہل سنت کے علماء نے ان فرقوں کو اہل بدعت اور اہل ہواء کے ناموں سے پکارا ہے۔ ان کو مرتد کافر یا منکر نہیں کہا۔ (جیسا کہ صدیقی دور میں مخالفین کیلئے یہ الفاظ استعمال ہوئے)۔ کیونکہ یہ لوگ صریح انکار نہیں کرتے بلکہ تاویل کرتے ہیں اور تاویل کی وجہ سے حکم تبدیل ہو جاتا ہے۔

۴۔ لفظ کافر سے دوسرا شخص چڑتا ہے۔ کیونکہ یہ لفظ بطور گالی بھی استعمال ہوتا ہے۔ لہذا اس لفظ سے احتراز کرنا چاہیے۔ بالخصوص ایسے وقت میں جبکہ فتنہ برپا ہونے کا خطرہ ہو۔ جیسا کہ حدیث ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: اگر تیری قوم نے نیا نیا کفر نہ چھوڑا ہوتا تو میں کعبہ کو گرا کر' اسے ابراہیمی بنیادوں پر تعمیر کرتا (۱۲۰)۔ معلوم ہوا کہ فتنہ کے خوف سے بعض اوقات صحیح کاموں کو بھی چھوڑ دیا جاتا ہے۔

تاہم اس مذکورہ بالا بحث کا یہ مطلب بھی نہیں کہ کسی مدعی نبوت یا مرزائی فرقہ کی تکفیر نہ کی جائے۔ کیونکہ جب صحابہ کرامؓ اور ائمہ مجتہدین نے نبوت کے کسی دعویدار کیلئے اس قسم کی گنجائش نہیں رکھی تو پھر ہم یہ رعایت کس طرح دے سکتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ کسی شخص کو نبی تسلیم کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اسے شریعت کی تنسیخ کا حق دیدیا جائے۔ ایسی صورت میں وہ مدعی نبوت' قبلہ کی سمت بھی تبدیل کر سکتا ہے۔ لہذا ایسے شخص پر اہل قبلہ کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ کسی قبلہ کا پابند نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مدعیان نبوت کی تکفیر اجماع صحابہ سے بھی ثابت ہے اور پاکستان میں بھی مرزائی فرقہ کی تکفیر سب کے اتفاق سے وجود میں آئی۔ جبکہ کسی اور فرقہ کیلئے تکفیر کا یہ اجتماعی انداز ثابت نہیں ہوتا۔ دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ شخصی تکفیر کیلئے تو کسی ایک مجتہد یا فقیہ کا قول معتبر ہو سکتا ہے مگر جماعتی تکفیر کیلئے اجتماعی انداز کی تکفیر کا ہونا ضروری ہے

گستاخئی رسول ﷺ

کفر وارتداد کی سابقہ بحث کا تعلق اس صورت سے تھا' جبکہ ارتداد اختیار کرنے والا شخص' توبہ واستغفار کر سکتا ہے اور دوبارہ اسلامی برادری میں داخل ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر اس کی تکفیر' حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کے جرم کی وجہ سے واقع ہوئی ہے' تو پھر معاملہ نہایت سنگین ہے۔ کیونکہ ایسا شخص' بعض فقہاء کے نزدیک نہ صرف یہ کہ کافر ہے بلکہ واجب القتل بھی ہے۔

بنیادی طور پر شاتم رسول کے معاملے میں علماء وفقہاء کے تین قسم کے مؤقف سامنے آتے ہیں۔ ابو محمد (ابن حزم) کا بیان ہے کہ کوئی مسلمان اگر حضور ﷺ یا کسی نبی کو گالی دے تو اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ یہ کفر نہیں۔ دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ یہ کفر ہے۔ جبکہ کچھ دوسرے لوگوں نے اس معاملے میں توقف اختیار کیا ہے۔ ہمارے اصحاب کا بھی یہی مسلک ہے (۱۲۱)

اس عبارت میں ابن حزمؒ نے پہلے مسلک کی وضاحت نہیں کی کہ اس کا قائل کون ہے۔

تاہم یہ قول غیر معتبر قسم کا ہے۔ کیونکہ کسی مجتہد امام سے اس قسم کی عبارت منقول نہیں۔ تیسرے مسلک کا تعلق فرقہ ظاہریہ سے ہے اور توقف کا مطلب ہے کہ یہ لوگ اس شخص کی تکفیر میں متذبذب ہیں کہ اس کی تکفیر کریں یا نہ کریں۔ دوسرا مؤقف یعنی گستاخ رسول کافر ہے پھر تفصیل طلب ہے کہ اس کی توبہ معتبر ہے یا نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ عام مرتد کی نسبت حضور ﷺ کے متعلق بدکلامی کرنے والے شخص کا جرم زیادہ ہے جیساکہ ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے "جرم الطاعن علی الرسول ﷺ الساب له اعظم من جرم المرتد" (۱۲۲) کیونکہ آپ کی شان میں بدکلامی کرنے سے اللہ، رسول اور تمام مسلمانوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ لہذا اس کی کم از کم سزا کفر اور جنگ ہے۔ آپ ﷺ کے علاوہ کسی اور کی توہین کا مرتکب گنہگار ہوگا۔ یہ بات واضح ہے کہ سزائیں جرم کی نوعیت کے مطابق ہوتی ہیں۔ لہذا نبی اور غیر نبی کی سزا میں یکسانیت نہیں ہو سکتی (۱۲۳)

اس مقام پر ابن تیمیہؒ نے ابن منذرؒ کے حوالے سے اپنے مؤقف کی حمایت میں اجماع تک نقل کر ڈالا (۱۲۴) مگر یہ مؤقف قابل بحث ہے۔ کیونکہ ایسے گستاخ کا کفر تو مسلم ہے۔ مگر اس کا واجب القتل ہونا بہر حال اختلافی مسئلہ ہے۔ چنانچہ امام احمدؒ کی ایک روایت کے مطابق وہ واجب القتل ہے (۱۲۵) جبکہ دوسری روایت کے مطابق اس کی توبہ مقبول ہے (۱۲۶)۔ اسی طرح توبہ کے مقبول اور غیر مقبول ہونے میں امام مالکؒ سے بھی دو روایتیں ہیں۔ مشہور قول یہ ہے کہ توبہ مقبول نہیں (۱۲۷)۔ امام ابو حنیفہؒ، آپ کے اصحاب اور امام شافعیؒ کے مشہور قول کے مطابق اس کی توبہ مقبول ہے۔ جیساکہ عام مرتد کی توبہ قبول کر لی جاتی ہے (۱۲۸) جبکہ متاخرین احناف میں سے بعض فقہاء مثلاً بزازی اور ابن نجیم قبولیت توبہ کے حق میں نہیں۔ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ جعفری فقہ کے مطابق حکم یہ ہے کہ شاتم رسول کو قتل کر دیا جائے (۱۲۹)

خلاصہ کلام یہ کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک گستاخ رسول واجب القتل نہیں جبکہ امام احمدؒ اور امام مالک کے مشہور قول نیز جعفری فقہ کے مطابق گستاخ رسول واجب القتل ہے۔ مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر، طرفین کے دلائل ذکر کئے جاتے ہیں۔ تاکہ راجح مؤقف سامنے آئے۔

پہلا مؤقف : متعدد احادیث وواقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے گستاخی وبد تمیزی کے مرتکب افراد کو قتل کروایا۔ مثلاً :

۱۔ کعب بن اشرف یہودی کا واقعہ ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: اس کو کون قتل کرے گا۔ کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دی ہے۔ محمد بن مسلمہ نے کہا: کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں اسے قتل کر دوں۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ محمد بن مسلمہ نے کہا: مجھے کہنے کی اجازت دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہہ لے۔۔۔ پھر آپ نے جا کر کعب بن اشرف کو قتل کر دیا(۱۳۰)

۲۔ اسی قسم کا معاملہ ابو رافع یعنی سلام بن حقیق کا ہے۔ جسے قبیلہ خزرج کے افراد نے قتل کیا تھا۔ اس کی گھناؤنی حرکات کی وجہ سے حضور ﷺ نے اس کے قتل کا بھی حکم دیا تھا(۱۳۱)

۳۔ عصما بنت مروان' اسلام اور اہل اسلام کی ہجو کرتی تھی۔ حضور ﷺ نے اسے قتل کروانا چاہا۔ عمیر بن عدی نے رات کے وقت اسے قتل کر دیا۔ یہ ۱۱ھ کا واقعہ ہے(۱۳۲)

۴۔ عبداللہ بن خطل اور اس کی بیوی کی کنیز کو بھی حضور ﷺ اور مسلمانوں کی ہجو کرنے کی وجہ سے فتح مکہ کے موقعہ پر قتل کروادیا گیا(۱۳۳)

۵۔ صدیقی دورِ حکومت کا واقعہ ہے کہ ابن ابی امیہ' یمامہ کے گورنر تھے۔ وہاں دو عورتیں تھیں۔ ایک حضور ﷺ کی مذمت کے گیت گاتی تھی۔ دوسری مسلمانوں کی ہجو کرتی۔ گورنر نے دونوں کا ایک ایک ہاتھ اور سامنے کے دانت توڑ دیئے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا: اگر تو نے یہ سزا نہ دی ہوتی تو میں ان کے قتل کا حکم دیتا۔ اس لئے کہ انبیاء کی گستاخی پر حد عام حدود کے مشابہ نہیں(۱۳۴)

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ گستاخِ نبی کو قتل کیا جائے گا۔ اس سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ نیز اس معاملے میں مرد اور عورت کی کوئی تفریق نہیں۔ جیسا کہ عام ارتداد میں مرد کو قتل کیا جاتا ہے اور عورت کو دائمی حبس کی سزا دی جاتی ہے۔

اس موقف کی تائید میں دوسری جہت یہ ہے کہ عزتِ نفس حق العبد ہے اور حد قذف کی طرح صرف اسی شخص کو معافی کا حق ہے۔ حضور ﷺ نے اپنی زندگی میں بعض مواقع پر معافی دی۔ کیونکہ یہ آپ کا حق تھا۔ آپ نے معاف کر دیا۔ مثلاً ذوالخویصرہ نامی ایک شخص نے غزوہ حنین کے موقعہ پر مال کی تقسیم کے وقت حضور ﷺ پر اعتراض کیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے قتل کی اجازت مانگی۔ مگر آپ نے درگزر سے کام لیا(۱۳۵) لیکن ہمیں معافی کا اختیار حاصل نہیں۔ لہذا قتل ہی لازمی ہے۔ ابن تیمیہؒ کی عبارت ہے "ان النبی کان له ان یقتله وان

یعفوعنه ویعتصم دمه"(۱۳۶)

۳۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ حرمت نبی سے متعلق قرآن مجید میں آٹھ آیات ہیں(۱۳۷) جن میں حضور ﷺ کی عزت و توقیر کا حکم دیا گیا ہے۔ مثلاً سورہ حجرات میں ہے :

"وَلَاتَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ۔۔۔(۱۳۸)(اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو)

"اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَاوَالْاٰخِرَةِ"(۱۳۹)

(جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں۔ دنیا اور آخرت میں ان پر لعنت ہے)

وجہ استدلال یہ ہے کہ جو شخص حضور ﷺ کی عزت نہیں کرتا وہ گستاخ ہے اور گستاخ کا جرم مرتد سے بڑھ کر ہے(۱۴۰) جب مرتد کو قتل کرنے کا حکم ہے تو گستاخ کو بدرجہ اولی قتل کرنا چاہیے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے۔

دوسرا مؤقف : اس کا تعلق امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ سے ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ خون مسلم محترم ہے اور اس کا قتل تین صورتوں کے سوا جائز نہیں۔(۱) زانی (۲) قاتل (۳) دین کو چھوڑنے والا، یعنی مرتد۔(A۔۱۴۰) شریعت میں اس کیلئے معافی کا دروازہ کھلا ہے۔ اس موقعہ پر عام مرتد یا گستاخی کے مرتکب مرتد میں امتیاز کی کوئی ایسی دلیل نہیں جس کی بنیاد کسی نص پر ہو۔

۲۔ اسلام اور قرآن کی رو سے سب سے بڑا گناہ شرک ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے :

"اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ"(۱۴۱)(بے شک شرک بڑا ظلم ہے)

دوسری جگہ ارشاد ہے : اللہ تعالی شرک کو معاف نہیں کرے گا۔ اس کے علاوہ جس کو چاہیے معاف کر دے(۱۴۲) جب مشرک کو قتل نہیں کیا جاتا اور اس کی توبہ قبول کر لی جاتی ہے تو پھر گستاخی کے مجرم کی توبہ بھی قبول ہونی چاہیے۔ کیونکہ اس کا جرم شرک کی نسبت کم تر ہے۔ یعنی گستاخ بھی عام مرتد کے حکم میں ہے۔

پہلے مؤقف کے دلائل کے جوابات یہ ہیں :

۱۔ گستاخی کی بناء پر قتل کے واقعات کا جواب یہ ہے کہ یہ لوگ عادی مجرم اور ناقابل اصلاح تھے۔ ایسے لوگوں کو یقیناً بطور تعزیر قتل کر دینا چاہیے۔ یہ امام کا صوابدیدی اختیار ہوتا ہے۔ مثلاً کعب بن اشرف کے متعلق منقول ہے کہ اس نے مقتولین بدر کے مرثیے لکھے۔ اہل مکہ کو حضور ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف ابھارا۔ مسلم عورتوں کے معاشقے لکھے(۱۴۳) سلام بن حقیق نے جنگ احزاب کے موقعہ پر تمام جماعتوں کو اکٹھا کیا(۱۴۴)۔ لہذا ان کا قتل صرف گستاخی

کی وجہ سے نہیں بلکہ اسلام دشمنی اور سازشی کاروائیوں کی بنا پر تھا۔ یعنی کہ ان کو قتل کرنا ایک قسم کا دفاعی اقدام تھا۔

یمنی عورت کے قتل کے متعلق ابو بکر صدیقؓ کی رائے سیاست و مصلحت پر مبنی تھی (۱۴۵) یہ سرخسی کی رائے ہے۔ اخطل کا قتل اس لئے ہوا کہ وہ اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گیا تھا۔ اسی طرح اس کی بیوی کی کنیز ہجو یہ اشعار گانے کی عادی مجرم تھی۔ جیسا کہ عبارات سے واضح ہے۔ لہذا ایسے سنگین مجرموں کو قتل کر دینا درست ہے۔

دوسری دلیل کہ معافی حضور ﷺ کا حق ہے۔ لہذا ہم معاف نہیں کر سکتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ کو رؤف الرحیم کہا گیا ہے۔ تو اس دریائے کرم سے عفو کی توقع بجا ہے (۱۴۶) اسی طرح احترام نبی کی وضاحت کرتے ہوئے امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو حکم دیا ہے کہ وہ حضور ﷺ کا احترام کریں۔ اسی طرح اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ وہ مؤمنوں کیلئے والد سے بڑھ کر مہربان اور شفیق بنیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے "وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ" (مومنوں کیلئے اپنا بازو جھکا دے) "وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ" (جو لوگ اپنے رب کو پکارتے ہیں' ان کے معاملے میں آپ صبر کریں) نیز فرمایا "وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ" مچھلی والے (حضرت یونسؑ) کی طرح نہ بنیے تاکہ آپ کا انداز جباروں جیسا نہ ہو) (۱۴۷)

لہذا ہم پر امید ہیں کہ حضور ﷺ اپنے امتی کی توبہ اور معافی قبول کر لیں گے۔

دلیل نمبر ۳ کا جواب یہ ہے کہ ان آیات سے حضور ﷺ کی تعظیم و توقیر تو واضح طور پر ثابت ہوتی ہے۔ مگر قتل کا حکم بالکل ثابت نہیں ہوتا۔ ہاں یہ حکم استنباط کیا جا سکتا ہے۔ مگر وہ حکم ظنی ہو گا اور ظنی حکم کی وجہ سے قتل کرنا درست نہیں۔

دلائل کی اس بحث کے بعد یہ اشکال باقی رہ جاتا ہے کہ حنفی مسلک میں گستاخِ رسول کی توبہ مقبول ہے۔ جس کی رو سے وہ واجب القتل نہیں۔ مگر بعض فقہاء کی کتب مثلاً فتاوی بزازیہ' بحر الرائق اور الاشباہ والنظائر وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ احناف میں یہ اختلاف کیوں ہے؟

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں بعض فقہاء کو مغالطہ ہوا۔ ابتداءً ابن بزاز نے یہ حکم لکھا۔ جیسا کہ ابن عابدین لکھتے ہیں کہ بزازیہ نے عدم قبول توبہ کا حکم سبکی کی طرف منسوب کر

کے لکھ دیا جو سیف المسلول کا مصنف ہے اور حنفیوں کے واسطے اس کا قول حجت نہیں۔ پھر فتح القدیر کے مؤلف ابن ھمام نے بزاز کی پیروی کی۔ اس طرح اس معاملے میں بزاز نے تساہل سے کام لیا۔ (۱۴۸) آگے چل کر فتاوی خیریہ میں بھی بزاز کے حوالے سے اسی حکم کو نقل کر دیا گیا۔ جبکہ فتاوی ھندیہ (عالمگیری) میں بزازی اور دیگر کتب کے حوالے سے بہت سے احکام منقول ہیں۔ کیونکہ فتاوی ھندیہ بذات خود کوئی کتاب نہیں بلکہ ۶۹ کتب کے منتخبات کا مجموعہ ہے۔

اسی قسم کا دوسرا مغالطہ بحر الرائق کے مصنف ابن نجیم کو ہوا۔ ایک تو انہوں نے بزازیہ کے حوالے سے عدم قبول توبہ کا حکم لکھا۔ دوسری طرف انہوں نے قدوری کی شرح جوھرہ کے حوالے سے یہ بحث لکھی کہ شیخین کے گستاخ کی توبہ قبول نہیں۔ پھر اس سے یہ استدلال بھی کیا کہ جب شیخین کے گستاخ کی توبہ قبول نہیں تو حضور ﷺ کے گستاخ کی توبہ کس طرح قبول ہو سکتی ہے۔ بعد ازاں جب ان کے بھائی صاحب نہر الفائق نے اس قول کی سند مانگی۔ تو ابن نجیم نے کہا میں نے یہ حوالہ جوھرہ سے نقل کیا ہے۔ جب جوھرہ دیکھا گیا تو عدم قبولیت توبہ کی یہ عبارت حاشیہ پر درج تھی۔ یعنی اصل متن کے ساتھ اس عبارت کا کوئی تعلق نہ تھا۔ مگر آپ نے حاشیہ کی عبارت کو اصل متن سمجھ لیا۔ نیز صاحب بحر الرائق کا شمار ارباب ترجیح میں نہیں کہ ان کی بات معتبر ہو۔ بلکہ ایسے مواقع پر اہل مذہب یعنی مجتہدین کی نصوص ہی قابل اعتماد ہیں۔ نیز رسول اکرم ﷺ رؤف ورحیم ہیں۔ تو توبہ کی صورت میں عفو کی توقع کی جاتی ہے (۱۴۹)

مندرجہ بالا وضاحت سے معلوم ہوا کہ ایک فقیہ کی غلطی اور نقل در نقل کے رجحان سے مسئلہ کی کیا کیفیت بن گئی۔ علاوہ ازیں متاخرین کا یہ مسلک اس لئے بھی مرجوح ہے کہ متقدمین مثلاً سرخسی نے یہ حکم نہیں لکھا۔ حالانکہ انہیں فقہ حنفی کا شارح کہا جاتا ہے۔ مبسوط نامی ان کی کتاب فقہ حنفی میں ایک مبسوط کتاب ہے۔ جس کی تصنیف پانچویں صدی میں ہوئی۔ پھر ھدایہ، بدائع الصنائع، اور فتاوی قاضی خان جیسی اہم کتب میں بھی یہ حکم موجود نہیں۔ جو کہ چھٹی صدی ھجری میں تالیف ہوئیں۔

ذمی کا حکم

اسی قسم کی ایک بحث یہ ہے کہ اگر اس گستاخی کا ارتکاب غیر مسلم یعنی ذمی سے ہو تو حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک اس کا ذمہ اور عہد ختم ہو جائے گا اور اسے قتل کر دیا جائے گا۔ چنانچہ ابن تیمیہؒ کے بقول اس کو غلام بنانا، اس پر احسان کرنا، یا اس سے فدیہ لینا بھی درست نہیں (۱۵۰) امام

شافعیؒ کے نزدیک بھی گستاخی کی وجہ سے ذمی کا عہد ٹوٹ جاتا ہے(۱۵۱) جبکہ حنفیہ کے نزدیک اس کا عہد نہیں ٹوٹتا(۱۵۲) یعنی اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ ایک یہودی نے حضور ﷺ کو السام علیک کہا۔ مگر اسے عہد شکن نہ قرار دیا گیا(۱۵۲) بلکہ جواب میں حضور ﷺ نے یہی لفظ اس کیلئے بول دیا۔

مستثنیات

سابقہ بحث سے واضح ہوا کہ گستاخِ نبوت کے قتل کا حکم مختلف فیہ ہے۔ جبکہ اس کی تکفیر کا حکم تقریباً متفق علیہ ہے مگر اس مسئلہ میں چند مستثنیات قابلِ توجہ ہیں :

۱۔ سکران : یعنی نشہ کی حالت میں اگر کسی شخص نے اس جرم کا ارتکاب کیا تو عدمِ قصد کی وجہ سے اس کی تکفیر نہیں ہوگی۔ امام سرخسیؒ نے یہ استدلال اس واقعہ سے کیا کہ نشہ کی حالت میں ایک بڑے صحابی نے حضور ﷺ سے کہا :

"ھل انتم الاعبیدی وعبید آبائی" مگر ان کے اس کے قول کو کفریہ قرار نہیں دیا گیا۔(۱۵۳)

۲۔ مختلف صوفیا و علماء بعض اوقات نشہ توحید سے سرشاری یا توحید کی غیرت (شرک کی مذمت) میں جو شیلے ہوتے ہیں۔ ایسی حالت میں ان کی زبان اور قلم سے ایسے کلمات صادر ہوئے جو شان نبوت کے منافی تھے۔ مگر اس کے باوجود فقہاء نے ان کلمات پر گرفت نہیں کی۔ مثلاً ابو بکر شبلی، ابو الحسن خرقانی(۱۵۴) کیونکہ ان کا مقصد شانِ نبوت کی گستاخی نہ تھا۔ برصغیر کے بعض صوفیاء سے بھی اس قسم کی عبارتیں منقول ہیں اور ان سے چشم پوشی کی جاتی ہے۔

۳۔ کم تر سزا کا واقع ہونا : اگر گستاخی کے مجرم کو کم تر سزا مل گئی تو پھر حقیقی سزا ٹال دی جائے گی۔ کیونکہ ایک جرم پر دو سزائیں نہیں دی جاتیں۔ اس اصول کا جزئیہ پہلے گزر چکا ہے کہ یمامہ کی عورتوں کی طرف سے گستاخی پر ابو بکر نے قتل کی سزا کا حکم نہیں دیا۔ کیونکہ گورنر نے ان کے ہاتھ اور دانت اکھڑوا دیئے تھے۔

۴۔ فتنہ کا خوف : واقعہ افک کے موقعہ پر حضور ﷺ نے تقریر کی کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے : جو مجھے میرے اہل خانہ کے بارے میں ایذاء پہنچا رہے ہیں۔ ان کی طرف غلط

باتیں منسوب کرتے ہیں۔(آپ کا اشارہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی طرف تھا)اس موقعہ پر اُسید بن حضیر نے کہا۔اگر یہ شخص قبیلہ اوس سے تعلق رکھتا ہے تو ہم اس کا خاتمہ کر دیتے ہیں اور اگر وہ قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتا ہے تو آپ فیصلہ دیں۔اس موقعہ پر سعد بن عبادہ اٹھے اور کہا تم جھوٹ بولتے ہو۔ان کی گردن نہیں اڑائی جاسکتی ۔اوس اور خزرج کی پرانی عداوت اور تعصب بیدار ہو گیا' فتنہ بڑھا۔چنانچہ حضور ﷺ نے معاملے کو دبادیا(۱۵۵)

اس واقعہ پر ابن تیمیہؒ کا تبصرہ ہے کہ حضور ﷺ 'عبداللہ بن ابی کو قتل کرانا چاہتے تھے۔ مگر فتنہ کے خوف سے معاملے کو ٹال دیا(۱۵۶)سیرت النبی میں اس قسم کی متعدد مثالیں ملتی ہیں کہ بعض افراد نے حضور ﷺ سے گستاخی کی۔صحابہ کرام نے ان کے قتل کی اجازت چاہی۔مگر آپ ﷺ نے فتنے اور غلط پروپیگنڈے کے خوف سے ان افراد کو چھوڑ دیا۔

موجودہ بین الاقوامی حالات کے اعتبار سے یہ چوتھی صورت خاص طور پر توجہ طلب ہے۔ کیونکہ مسلمان عالمی سطح پر کمزور ہیں۔بالخصوص وہ ممالک اور حکومتیں 'جو اسلامی تعلیمات کے نسبتاً قریب ہیں' شدید دباؤ کا شکار ہیں اور عالمی سطح پر پابندیوں بلکہ بائیکاٹ اور حملوں کی زد میں ہیں۔ان کے خلاف شدید قسم کا زہریلا پروپیگنڈا جاری ہے کہ یہ لوگ قدامت پسند ہیں' دہشت ہیں' گرد اور بنیادی حقوق کو پامال کر رہے ہیں۔عالمی طاقتوں کو جونہی اس قسم کا کوئی بہانہ میسر آتا ہے وہ آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں۔اس طرح اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ان حالات میں 'واقعہ افک کے موقعہ پر حضور ﷺ کا طرز عمل' ہمارے لئے مشعلِ راہ ہے۔کہ اگر فتنہ و فساد پھوٹنے کا خوف ہو تو سزا دینے کی بجائے معاملے کو دبایا بھی جاسکتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے "اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ" (فتنہ قتل سے زیادہ شدید ہوتا ہے)(سورہ بقرہ :۱۹۱)

اسی قسم کا ایک واقعہ اس سے قبل بھی پیش آچکا تھا۔یعنی غزوہ بنی مصطلق کے موقعہ پر گھوڑے کو پانی پلانے کیلئے مہاجرین و انصار میں جھگڑا ہوا۔عبداللہ بن ابی نے اس معاملے کو کافی اچھالا اور کہا :"لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَ" یعنی مدینہ پہنچ کر عزت والا' ذلت والے کو نکال دے گا) حضور ﷺ کو اطلاع پہنچی۔اس موقعہ پر حضرت عمر فاروقؓ نے قتل کی اجازت مانگی۔ تو آپ ﷺ نے جواب دیا۔یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔لوگ کہیں گے محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔یہ مناسب نہیں۔مگر اب کوچ کا اعلان کر دو(۱۵۷)

یعنی محض بدنامی سے بچنے کیلئے حضور ﷺ نے عبداللہ بن ابی کا قتل روک دیا۔ یہ مطلب نہیں کہ آپ نے اسے برضا معاف کیا تھا۔ بلکہ حالات کے مخصوص پس منظر کی وجہ سے درگزر کرنی پڑی۔ جیسا کہ حدیث کے الفاظ سے واضح ہوتا ہے۔

اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت علیؓ سے منقول ہے۔ آپ کو معلوم ہوا کہ ابن السوداء 'ابوبکر اور عمرؓ سے بغض رکھتا ہے۔ آپ نے اسے طلب کیا اور تلوار سے قتل کرنا چاہا۔ پھر کچھ گفتگو ہوئی۔ پھر کہا میرے شہر میں ایسا شخص نہ ٹھہرے۔ چنانچہ اسے مدائن کی طرف جلاوطن کر دیا۔ فتنہ کے خوف سے اس کو قتل نہ کیا۔ جیسا کہ حضور ﷺ منافقین کے قتل سے رک جاتے تھے (۱۵۸)

لہذا اس قسم کے مواقع پر محض جذبات اور عقیدت کی رو میں بہہ کر فیصلہ کرنا مناسب نہیں بلکہ ٹھنڈے دل و دماغ سے معاملے پر غور کرنا چاہیے۔ نہ تو گستاخوں کو ڈھیل دی جائے کہ وہ جری ہو جائیں نہ غیر مسلموں کے مذہبی عقائد پر طعن کیا جائے کہ وہ چڑ جائیں اور طیش میں آکر جوابی کاروائی کریں۔ جیسا کہ سورہ انعام آیت :۱۰۹ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

"وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" جو غیر اللہ کو پکارتے ہیں۔ انہیں گالی مت دو پھر وہ دشمنی میں بے سوچے اللہ کو گالی دیں گے۔

مرتد کے احکام

اسلام میں مرتد کا مقام عام کافر سے کہیں بدتر ہے کیونکہ عام کافر کو زندگی کا تحفظ 'مال کی ضمانت اور مذہبی آزادی حاصل ہے مگر مرتد سے یہ تمام حقوق سلب کر لئے جاتے ہیں کیونکہ اس میں دو عیب ہیں۔ کفر اور عہد شکنی' یہ عہد شکنی معمولی قسم کی خطا نہیں۔ بلکہ مذہبی حدود کو توڑنے اور اس کے اصول و ضوابط کو ٹھکرانے کا صریح اعلان ہے چونکہ یہ شخص انتہائی مضبوط اور مقدس عہد کو توڑتا ہے۔ اس لئے ایسے شخص کیلئے حضور ﷺ کا ارشاد ہے :

"من بدل دینا فاقتلوہ" (۱۵۹) (جو شخص اپنے دین کو بدلے اسے قتل کر دو)

تاہم اس کے شکوک و شبہات کو دور کرنے اور دوبارہ اسلام کی طرف لانے کیلئے تین دن کی مہلت ہے۔ اس میں اسے توبہ کی دعوت دی جائے گی۔ توبہ کی یہ دعوت احناف کے نزدیک مستحب ہے واجب نہیں۔ کیونکہ اسے اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہے (۱۶۰) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ دعوت واجب ہے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ مغربی علاقے سے ایک مسلم سپاہی آیا۔ آپ نے حالات دریافت کئے۔ اس نے کہا ایک شخص اسلام لانے کے

بعد کافر ہو گیا۔ تو ہم نے اسے قتل کر دیا۔ آپ نے فرمایا : تم نے اسے تین دن کیوں نہ قید میں رکھا۔ اسے روزانہ کھانا دیتے ۔ شاید وہ توبہ کر لیتا۔ پھر کہا : اے اللہ! میں نہ تو (اس موقعہ پر) حاضر تھا نہ حکم دیا اور نہ اس عمل کو پسند کرتا ہوں۔ کمال ابن ھمام کا بھی یہی مسلک ہے (۱۶۱) احناف میں سے امام طحاوی کا بھی یہی مسلک ہے۔ بحوالہ الصارم المسلول ص : ۳۱۸۔

تین ایام کے بعد مرتد آدمی کو قتل کر دیا جائیگا اور مرتدہ عورت کو دائمی حبس کی سزا دی جائے گی۔ یعنی عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ البتہ اگر عورت کا ارتداد نبوت کی گستاخی کی وجہ سے ہے تو پھر اسے بھی قتل کر دیا جائے گا۔ جیسا کہ متعدد احادیث کے حوالہ جات گزر چکے ہیں۔

صحت ارتداد کی شرائط یہ ہیں : عقل، ہوش مندی، خود مختاری، چنانچہ دیوانے، مدہوش، وسواسی، نادان بچے اور مجبور کا ارتداد معتبر نہ ہوگا۔ مرتد ہونے کیلئے نہ بلوغت کی شرط ہے اور نہ مذکر ہونے کی (۱۶۲)

مالی تصرفات

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ارتداد کے ساتھ ہی اس شخص کی ملکیت موقوف طریقے سے زائل ہو جائے گی۔ اگر اس نے اسلام قبول کر لیا تو اس کی ملکیت بحال ہو جائے گی۔ اگر وہ مر گیا، قتل ہو گیا یا دار الحرب میں چلا گیا۔ تو قرضہ جات کی ادائیگی کے بعد اس کے اموال، اس کے مسلم ورثاء میں تقسیم کر دیئے جائیں گے۔ نیز ارتداد کے ساتھ ہی اس پر تجارتی پابندی لگا دی جائے گی۔ اس عرصے میں اگر اس نے کچھ کمایا تو وہ مال فیئی ہوگا اور بیت المال میں جمع کرایا جائے گا (۱۶۳) کیونکہ اب وہ مسلمان نہیں بلکہ کافر اور مباح الدم ہے۔ البتہ اس کی بیوی کو وراثت میں سے حصہ ملے گا، بشرطیکہ عدت میں ہو (۱۶۴)

دیگر تصرفات

جن امور کا تعلق مذہب کے ساتھ ہے وہ باطل ہو جائیں گے۔ چنانچہ اسے نکاح کرنے کی اجازت نہیں۔ سابقہ بیوی اس سے جدا ہو جائے گی۔ کیونکہ مسلمان عورت کافر کے عقد میں نہ جا سکتی ہے نہ رہ سکتی ہے۔ اس مرتد کا ذبیحہ مردار ہوگا۔ اس کا شکار بھی حرام ہوگا (۱۶۵) اس اعتبار سے اس کا معاشرتی بائیکاٹ ہو جائے گا۔

حق العبد میں ماخوذ ہوگا۔ یعنی قتل یا چوری کے بعد مرتد ہوا۔ پھر مسلمان ہو گیا تو سابقہ

جرائم پر گرفت ہوگی۔ حق اللہ میں ماخوذ نہ ہوگا۔ یعنی شراب پی۔ پھر مرتد ہوا۔ بعد ازاں اسلام قبول کر لیا تو شراب کی حد نافذ نہ ہوگی(۱۶۶)۔

عبادات

سابقہ عبادات میں سے صرف حج کا اعادہ کرے۔ بشرطیکہ مال دار ہو۔ بقیہ عبادات کا اعادہ لازم نہیں کیونکہ اس شخص کا حکم کافر اصلی کی طرح ہو گیا(۱۶۷)

تکفین وتدفین : قتل یا موت کی صورت میں اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے"وَلَاتُصَلِّ عَلٰى اَحَدٍمِّنْهُمْ مَاتَ اَبَداً"(۱۶۸) یعنی جب حضور ﷺ نے عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کی نماز جنازہ پڑھی تو اللہ تعالی نے آئندہ کیلئے کسی کافر کی نماز جنازہ پڑھنے سے روک دیا۔ چنانچہ یہ مرتد' بعد از مرگ بقیہ حقوق سے بھی محروم ہو گیا۔ مثلاً تغسیل' تکفین' نماز جنازہ اور مقابر مسلمین میں دفن کرنا(۱۶۹) البتہ احترام انسانیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسے کسی گڑھے میں ڈال دیا جائے اور دفن کر دیا جائے۔

مراجع و مصادر حواشی

۱۔ محمد عبدالملک ابن ہشام، سیرت ابن ہشام، شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی، ۲ : ۴۲۷

۲۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الوضوء، باب ۶۹

۳۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۵ : ۵۹۷

۴۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب نمبر ۱

۵۔ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان، فصل اول

۶۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الزکواۃ، حدیث نمبر ۶

۷۔ کلینی ابو جعفر بن یعقوب، الکافی، کتاب الحدود، باب الارتداد، مکتبہ دار السلام، تہران ۱۳۸۸ھ

۸۔ ابن تیمیہ، فتاوی الکبری، دار الکتب الحدیثیہ ۱۴ شارع الجمہوریہ، احکام المرتدین۔

۹۔ تفتازانی، علامہ سعد الدین، شرح عقائد، مکتبہ خیر کثیر، آرام باغ، کراچی۔ ۶

۱۰۔ ابن عابدین شامی، رد مختار، ترجمہ غایۃ الاوطار، سعید اینڈ کمپنی کراچی ۱۴۰۶ھ، ۲ : ۵۹

۱۱۔ ابو حنیفہ، فقہ اکبر، مطبع مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن ۱۳۴۲ھ، ۴۔

۱۲۔ ایضاً : ۹

۱۳۔ قرآن مجید، سورۃ حجرات : ۱۳

۱۴۔ قرآن مجید، سورۃ نور : ۲۱۔۲۰

۱۵۔ در مختار و رد مختار، ۲ : ۵۹۱ (ترجمہ غایۃ الاوطار)

۱۶۔ ایضاً ۵۹۰

۱۷۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۶ : ۱۸۳، مکتبہ دار الفکر دمشق ۱۹۸۴ء للدکتور وھبۃ الزحیلی

۱۸۔ ابن قدامہ، المقنع لابن قدامہ، مکتبہ ریاض الحدیثیہ ۱۹۸۰ء، ۳ : ۵۱۵

۱۹۔ فتاوی ھندیہ، المعروف فتاوی عالمگیری، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار، لاہور، ۳ : ۲۷۵، کتاب السیر باب نہم مرتدوں کے احکام، نوٹ : اس باب میں تکفیر سے متعلق تفصیلی بحث دی گئی ہے۔

۲۰۔ قرآن مجید، سورۃ بقرہ : ۲۵۴

۲۱۔ فتاوی ھندیہ، ۳ : ۴۵۹

۲۲۔ فتاوی ھندیہ، ۳ : ۴۶۱

۲۳۔ قرآن مجید، سورۃ اعلی : ۱۹

۲۴۔ قرآن مجید، سورۃ تحریم :۶

۲۵۔ فتاوی ھندیہ، ۳ :۴۷۱

۲۶۔ آلوسی، ابوالفضل محمود شہاب الدین، روح المعانی، سورۃ توبہ :۵۰

۲۷۔ فتاوی ھندیہ، ۳ :۴۵۷

۲۸۔ ابن نجیم، البحرالرائق، دارالکتب العربیہ الکبری، ۵ :۱۲۴

۲۹۔ فتاوی ھندیہ، ۳ :۴۶۱

۳۰۔ البحرالرائق، ۵ :۱۲۴۔ نوٹ :اس مقام پر تکفیر سے متعلق کافی بحث موجود ہے۔

۳۱۔ فتاوی ھندیہ، ۳ :۴۶۱

۳۲۔ قرآن مجید، سورۃ فتح :۹

۳۳۔ قرآن مجید، سورۃ حجرات :۵

۳۴۔ قرآن مجید، سورۃ نور :۶۳

۳۵۔ البحرالرائق، ۵ :۱۲۴

۳۶۔ فتاوی ھندیہ، ۳ :۴۵۷

۳۷۔ در مختار ورد مختار، ۲ :۵۹۶ (ترجمہ غایۃ الاوطار)

۳۸۔ فتاوی ھندیہ، ۳ :۵۶۹

۳۹۔ البحرالرائق، ۵ :۱۲۴

۴۰۔ فتاوی ھندیہ، ۳ :۴۶۴

۴۱۔ ایضاً :۴۷۱

۴۲۔ ایضاً :۴۶۳

۴۳۔ در مختار ورد مختار، ۲ :۵۹۴

۴۴۔ البحرالرائق، ۵ :۱۲۴

۴۵۔ فتاوی ھندیہ، ۳ :۴۶۳

۴۶۔ ایضاً :۴۶۴

۴۷۔ ایضاً ۴۶۶

۴۸۔ شفیع، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، بذیل سورہ فاتحہ :۴

۴۹۔ قرآن مجید، سورۃ المائدہ :۸۶

۵۰۔ البحرالرائق، ۵ :۱۲۴

۵۱۔ قرآن مجید، سورۃ توبہ : ۶۵

۵۲۔ فتاوی تاتارنامہ، بر عالم گیری، مطبع الکبری الامیریہ، بولاق مصر ۱۲۱۰ھ، ۳ : ۵۷۷

۵۳۔ فتاوی ھندیہ، ۳ : ۴۵۸

۵۴۔ فتاوی ھندیہ، ۳ : ۴۶۵

۵۵۔ فتاوی ھندیہ، ۳ : ۴۵۲

۵۶۔ فتاوی ھندیہ، ۳ : ۴۷۱

۵۷۔ فتاوی ھندیہ، ۳ : ۴۵۶

۵۸۔ فتاوی ھندیہ، ۳ : ۴۶۰

۵۹۔ قرآن مجید، سورۃ یونس، ۹۴۔ نیز سورۃ توبہ : ۵ کی تفسیر دیکھئے

۶۰۔ قرآن مجید، سورۃ آل عمران : ۳۲

۶۱۔ فتاوی ھندیہ، ۳ : ۴۶۹

۶۲۔ ایضاً

۶۳۔ فتاوی ھندیہ، ۳ : ۴۵۷

۶۴۔ فتاوی ھندیہ، ۳ : ۴۶۴

۶۵۔ فتاوی ھندیہ، ۳ : ۴۵۶

۶۶۔ فتاوی ھندیہ، ۳ : ۴۶۴

۶۷۔ فتاوی ھندیہ، ۳ : ۴۵۴

۶۸۔ فتاوی ھندیہ، ۳ : ۴۶۷

۶۹۔ قرآن مجید، سورۃ زمر : ۷

۷۰۔ قرآن مجید، سورۃ الکافرون

۷۱۔ فتاوی ھندیہ، ۳ : ۴۸۱

۷۲۔ فتاوی ھندیہ، ۳ : ۴۷۳

۷۳۔ فتاوی ھندیہ، ۳ : ۴۷۷

۷۴۔ فتاوی ھندیہ، ۳ : ۴۷۴

۷۵۔ مسلم، کتاب الایمان، باب نمبر ۲۵

۷۶۔ فتاوی ھندیہ، ۳ : ۴۷۶

۷۷۔ قرآن مجید، سورہ بقرہ : ۱۰۲

۷۸۔ معارف القرآن، ۱: ۲۷۹

۷۹۔ ابو موسیٰ، محمد بن عیسیٰ، الجامع الترمذی، کتاب الحدود، باب ماجاء فی حد الساحر،

۸۰۔ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر، مطبع مصطفائی گرریز ۱۲۸۳، ۱۷۵

۸۱۔ العاملی، محمد بن جمال الدین اللمعۃ الدمشقیہ، دار العلوم الاسلامی، بیروت، ۹: ۱۹۴

۸۲۔ در مختار ورد المحتار، ۲: ۶۰۰

۸۳۔ فقہ اکبر، ۹

۸۴۔ مسلم، مسلم بن حجاج قشیری، مسلم شریف، کتاب الایمان باب نمبر ۷

۸۵۔ ایضاً کتاب الایمان، باب نمبر ۸

۸۶۔ محمد عبدالحی، مجموعۃ الفتاوی، شہزاد، پبلیشرز لاہور، ۱۶: ۱۳

۸۷۔ البحر الرائق، ۵: ۱۲۵

۸۸۔ شرح فقہ اکبر، ملا علی قاری، ص ۱۹۹، مطبع مجتبائی دہلی۔

۸۹۔ ترمذی، کتاب الحدود، باب ماجاء فی درء الحدود

۹۰۔ ابن ماجہ محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، کتاب الحدود، باب دفع الحدود بالشبہات

۹۱۔ فتاوی ھندیہ، ۳: ۴۶۴

۹۲۔ قرآن مجید، سورہ احزاب: ۳۷

۹۳۔ مسلم شریف، کتاب الفضائل، باب وجوب امتثال ما قالہ شرعاً

۹۴۔ ایضاً

۹۵۔ البحر الرائق، ۵: ۱۲۳

۹۶۔ البحر الرائق، ۵: ۱۲۳

۹۷۔ البحر الرائق، ۵: ۱۲۵

۹۸۔ مجموعہ فتاوی، عبدالحی، ۱: ۳

۹۹۔ البحر الرائق، ۵: ۱۲۵

۱۰۰۔ البحر الرائق، ۵: ۱۲۵

۱۰۱۔ قرآن مجید، سورہ حجرات: ۶

۱۰۲۔ قرطبی، ابو عبداللہ محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن، قاھرہ، مصر ۱۹۶۷، سورہ حجرات: ۲

A۔۱۰۲۔ شرح فقہ اکبر، ملا علی قاری، ۸۷

۱۰۳۔ فتاوی ھندیہ، ۳: ۴۸۱

۱۰۴۔ قرآن مجید، سورۃ بقرہ: ۲۲۹

۱۰۵۔ فتاوی ھندیہ، ۳: ۴۵۳

۱۰۶۔ مجموعہ فتاوی، عبدالحی، ۱: ۱۳، منقول از شرح فقہ اکبر

۱۰۷۔ فتاوی ھندیہ، ۳: ۴۶۰

۱۰۸۔ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر، ۱۷۵

۱۰۹۔ البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ۷: ۴۸۳

۱۱۰۔ الصارم المسلول علی شاتم الرسول، ابن تیمیہ، مطبع مجلس دائرۃ معارف النظامیہ، حیدر آباد دکن ۱۳۲۲ھ ص: ۵۷۳۔ نوٹ: ابن تیمیہ کی یہ کتاب اس موضوع پر ایک مفصل کتاب ہے۔ تفصیل کے خواہش مند اس کتاب کی طرف رجوع کریں۔

۱۱۱۔ الصارم المسلول: ۵۷۱

۱۱۲۔ ایضاً: ۵۷۲

۱۱۳۔ ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد بن سعید، المحلی، دار الجیل بیروت، ۱۱: ۴۱۵

۱۱۴۔ البحر الرائق، ۵: ۱۲۳

۱۱۵۔ ھدایہ، کتاب الشہادہ، باب من تقبل شہادتہ

۱۱۶۔ شرح فقہ اکبر، ملا علی قاری، ۸۶، مطبع مجتبائی واقع دہلی ۱۹۰۷ء

۱۱۷۔ ایضاً

۱۱۸۔ مجموعہ فتاوی، عبدالحی، ۱: ۱۳

۱۱۹۔ ملا علی قاری، شرح فقہ اکبر، ۱۹۰، مجموعہ فتاوی، عبدالحی، ۱: ۲۱

۱۲۰۔ مسلم شریف، جلد دوم، کتاب الحج، باب نقض الکعبہ وبناءھا

۱۲۱۔ محلی، لابن حزم، ۴۰۹

۱۲۲۔ الصارم المسلول: ۱۱۶

۱۲۳۔ الصارم المسلول: ۲۹۳

۱۲۴۔ الصارم المسلول: ۴

۱۲۵۔ الصارم المسلول: ۲۹۶

۱۲۶۔ الصارم المسلول: ۳۱۰

۱۲۷۔ در مختار و رد المختار، ۲: ۲۹۹

۱۲۸۔ الصارم المسلول: ۳۱۰

۱۲۹۔ العاملی، محمد بن جمال، لمعہ ۹: ۱۹۴
۱۳۰۔ مسلم شریف، کتاب الجہاد، باب قتل کعب بن اشرف
۱۳۱۔ سیرت ابن ھشام ۲: ۳۲۷
۱۳۲۔ البدایہ والنہایہ، ابن کثیر ۵: ۳۸۷
۱۳۳۔ ایضاً ۴: ۷۳۹
۱۳۴۔ الصارم المسلول: ۱۹۳
۱۳۵۔ البدایہ والنہایہ ۴: ۷۶۲
۱۳۶۔ الصارم المسلول: ۱۱۶
۱۳۷۔ ایضاً، فصل اول
۱۳۸۔ قرآن مجید، حجرات: ۲
۱۳۹۔ ایضاً، سورہ احزاب: ۵۶
۱۴۰۔ الصارم المسلول: ۳۱۸
A۔۱۴۰۔ جامع ترمذی، کتاب الدیات، باب ماجاء لا یحل دم امری ء مسلم
۱۴۱۔ قرآن مجید، سورۃ لقمان: ۱۳
۱۴۲۔ قرآن مجید، سورۃ النساء: ۱۱۶
۱۴۳۔ سیرت ابن ھشام ۲: ۲۹
۱۴۴۔ ایضاً ۲: ۳۲۷
۱۴۵۔ سرخسی، مبسوط، مطبع سعادہ بجوار محافظۃ مصر، ۱۳۲۴، ج: ۱۰، باب احکام المرتدین
۱۴۶۔ در مختار ورد المختار ۲: ۵۹۸
۱۴۷۔ رازی، فخر الدین، تفسیر کبیر، سورہ حجرات: ۲
۱۴۸۔ در مختار ورد المختار ۲: ۵۹۶
۱۴۹۔ در مختار ورد المختار ۲: ۵۹۸ وفتاوی عبدالحی
۱۵۰۔ الصارم المسلول: ۲۳۵
۱۵۱۔ الصارم المسلول: ۹
۱۵۲۔ المحلی ۱۱: ۴۱۵
۱۵۳۔ المبسوط، ۱۰، باب احکام المرتدین

۱۵۴۔ ابو القاسم عبدالکریم بن موازن قشیری، رسالہ قشریہ، ادارہ تحقیقات اسلامی، فیصل مسجد، اسلام آباد، ۱۹۸۴ء ۴۷۹

۱۵۵۔ سیرت ابن ھشام، ۲: ۳۵۸

۱۵۶۔ الصارم المسلول: ۴۹

۱۵۷۔ سیرت ابن ہشام، ۲: ۳۴۹

۱۵۸۔ الصارم المسلول: ۱۵۸

۱۵۹۔ ترمذی، کتاب الحدود، باب ماجاء فی المرتد

۱۶۰۔ البحر الرائق، ۵: ۱۲۵

۱۶۱۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۶: ۱۸۷

۱۶۲۔ در مختار ورد المختار، ۲: ۵۹۳

۱۶۳۔ در مختار ورد المختار، ۲: ۶۰۳

۱۶۴۔ فتاوی ھندیہ، ۳: ۴۴۹

۱۶۵۔ در مختار ورد المختار، ۲: ۶۰۴

۱۶۶۔ در مختار ورد المختار، ۲: ۶۰۵

۱۶۷۔ در مختار ورد المختار، ۲: ۶۰۵

۱۶۸۔ قرآن مجید، سورۃ توبہ: ۸۴

۱۶۹۔ در مختار (غایۃ الاوطار)، ۲: ۵۹۰